شمس و قمر

ناول

رضیہ بٹ

تعداد :- ایک ہزار

باہتمام :- ارشد برادرس

تقسیم کار :- اعتقاد پبلشنگ ہاؤس

کتابت :- ابو عمیر مبارکپوری

قیمت :- پانچ روپے پچاس پیسے

مطبع :- الجمعیۃ پریس دہلی

اعتقاد پبلشنگ ہاؤس اردو بازار دہلی ۶

شام کی دلفریب ساعتیں تیزی سے مشرق کی سمت بڑھتے ہوئے اندھیروں میں گم ہوتی جا رہی تھیں۔ موسم انتہائی پرسکون اور خوشگوار تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے مدھم مدھم جھونکے کسی الہڑ دوشیزہ کی طرح اپنی رعنائیوں کا مظاہرہ کر رہے تھے۔

اور مس میری۔ حسب عادت جوانی کی شعلہ فشاں تجلیوں کو سنجیدگی کی آڑ میں چھپائے جو ہوا کے پر فضا ماحول سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ اس کی غزالی آنکھیں سمندر کی مچلتی ہوئی لہروں سے ٹکرا ٹکرا کر لوٹ رہی تھیں۔ اور نازک قدم۔ بھیگے ہوئے ریت پر دل کی دھڑکنوں کی طرح نپی تلی رفتار کے ساتھ اٹھ رہے تھے ـــــ نیم عریاں لباس اس کی گداز پنڈلیوں سے ہٹ کر بلوری رانوں کا نامحرموں کو دیدار کرانا چاہتا تھا۔

مگر اس کو حسن اتفاق کہیے یا دیکھنے والوں کی بدقسمتی کہ یہاں تک کسی کی نگاہیں نہ پہنچ سکیں اور وہ اس قدرتی جھیڑ جھاڑ کے حلقے میں پھنسی ہوئی اس وقت تک ٹہلتی رہی۔ جب تک کائنات عالم پر ہلکے ہلکے اندھیرے کا تسلط نہیں ہو گیا۔

مگر جیسے ہی شہر کی فضا ستاروں کے چمکنے سے پہلے برقی روشنی سے منور ہوئی اس کے قدم اپنے بنگلے کی جانب اٹھنے لگے۔ جو اس دلکش ساحل سے تھوڑے فاصلہ پر واقع تھا۔ اور چونکہ میری کو قدرتی مناظر سے کافی دلچسپی تھی اس لئے اکثر و بیشتر شام کے حسین لمحات ان مقامات پر گذارا کرتی تھی۔ جہاں قدرتی صنعت میں دیدہ زیب جلوے پائے جاتے۔

یہی اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ ورنہ ایک سیدھا سادے تاجر کے گھر میں پرورش پانے والی دوشیزہ جس نے جوانی کی امنگوں کا لقب کی شان اور شعر رکھا ہو، اپنے ڈیڈی کی دولت اور ان کے نام سے ذاتی فائدہ اٹھاتے ہوئے، فطرت کے ہر تقاضے کو خرید سکتی تھی معاشرہ کی دلبستگیوں سے وابستہ ہوکر۔ عشق کی سینکڑوں کہانیوں کو جنم دے سکتی تھی۔ آزادی کی آڑ لے کر بے پناہ شہرت حاصل کر سکتی تھی لیکن اس کا مزاج نہ جانے کیوں، عیسائی مذہب، سماج اور معاشرے کی دی ہوئی آزادی کے باوجود کلب، تھیٹر اور سوسائٹی سے اجتناب کرتا تھا اس ماحول سے دور رہنا چاہتا تھا جس میں مغربی تہذیب کے عنصر ابھرے ہوئے جذبات کو ابھار کر غیر مذہبی طریقے اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اور عورت کی خودداری کا ہمیشہ کے لئے فقدان ہو جاتا ہے۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ دنیا میں کوئی اس کا پرستار بنے۔ یا وہ کسی کی محبوبہ بن کر ہر خاص و عام کی نظروں میں برہنہ ہو۔ اس لئے وہ ان تمام حالات سے گریز کیا کرتی تھی۔ جن میں ذرہ برابر بھی لغزش کے امکانات اس کی دور اندیش نگاہوں سے۔ دل کی گہرائیوں میں اتر چکے تھے۔

اس کے برعکس اس کا دل۔ مشرقی ماحول کے ان گوشوں نے اصولوں کی اس دیانت تسلیم کرتا تھا جب سے دنیا کے دلالت فطرت کے تقاضے جوانی کی دلچسپیاں اس کی بھولی بھالی نا سمجھ زندگی میں داخل ہو گئی تھیں۔ حالانکہ مشرقی عوام کا ایک بہت بڑا حصہ اپنی تہذیب کے سادہ اصول چھوڑ کر مغربی تمدن اور معاشرے کا گرویدہ ہو چکا ہے۔

لیکن میری زاہدہ وہم کیوں اس ماحول سے گریز کرتی تھی۔ یہ خیالات صرف اس کے ذہن تک ہی محدود تھے جن کو وہ سنجیدگی کی آڑ میں بدستور ہموار کرتی چلی جا رہی تھی — اور شیخ صاحب کا عاقبت اندیش دماغ برابر اس کا مطالعہ کر رہا تھا۔ کہ وہ کس روش پہ گامزن ہے — اس کا کردار کیا ہے اور وہ کس ماحول سے وابستہ رہنا چاہتی ہے۔

اس طرح وہ اپنے ڈیڈی کے لئے ہی نہیں بلکہ ہر اس شخص کے لئے معمہ بنی ہوئی تھی جو اس کے متعلق تھوڑی بہت بھی معلومات رکھتا تھا۔ اردو زبان پر عبور حاصل ہونے کی وجہ سے اکثر ہستیاں کافی عرصہ تک اس کو مسلمان وغیرہ تصور کرتی رہیں۔ مگر جب یہ واضح ہو گیا کہ وہ مسٹر سائمن کی لڑکی ہے تو ان کے دماغ نے ایک اور پلٹا کھایا۔ ان میں عیسائی لڑکیوں سے مختلف رنگ، روپ — جاذب نظر خدوخال۔ اور اس کی سنجیدگی کو بڑا دخل تھا۔ چونکہ وہ اپنے ڈیڈی سے مطلق مشابہت نہیں رکھتی تھی اس لئے اکثر دماغ اس نتیجہ پہ پہنچ گئے کہ اس کی والدہ یقیناً کسی ایسے ملک اور خطے سے تعلق رکھتی ہونگی جہاں نسوانیت میں حسن کے ساتھ جاذبیت کے عنصر بھی پائے جاتے ہیں یہی وجہ

تھی کہ نوجوان طبقہ اس کو انڈین بیوٹی کے نام سے یاد کیا کرتا تھا ۔

جس کے متعلق وہ خود بھی جانتی تھی کہ ۔۔ اس کے حسن خداداد کو کن نظروں سے دیکھا جاتا ہے ۔ اور کس لقب سے یاد کیا جاتا ہے ۔ مگر باوجود ان تمام باتوں کے اس کے دل میں اپنی جوانی ۔ اور اپنی زندگی کے لئے کوئی ایسا ولولہ انگیز جذبہ پیدا نہیں ہوا ۔۔ جو عام طور پہ انسانی دماغ میں پیدا ہو کر عمل کی صورت اختیار کرنے کے بعد ۔۔ جنون کی حد سے گذر کر سکون پرور زندگی کو جذبات کے مدوجزر میں پامال کر دیتا ہے ۔

مگر اس کی غیر معمولی سنجیدگی ۔ اور بیگانگی نے وقتی دلچسپی کے بعد پیدا ہونے والے کئی ہولناک خطرات سے نجات دلا دی ۔ جو ہر وقت اس کے چہرے پر چھائی رہتی تھی ۔۔ اور سمجھنے والے اس کو مغرور جان کر زیادہ سے زیادہ دور رہتے تھے ۔

حالانکہ قدرت نے اس کا ضمیر تکبر کے سائے سے باوجود دولت مند اور حسین ہونے کے دور رکھا تھا ۔۔ وہ جس قدر سنجیدہ تھی اتنا ہی اس کا نازک دل درد کی خلش سے بھی ہم آشنا تھا ۔۔ علاوہ بریں ذہن حساس تھا ۔ جس پر معمولی تاثرات جلد اثر انداز ہو کر ۔ دنیا اور اس کے اصولوں پر غور کرنے کے لئے مجبور کر دیتے تھے ۔ لیکن اس کی کم سخنی کی وجہ سے اس کے خیالات کا جائزہ لینا بہت مشکل تھا ۔ یہاں تک کہ خود جج صاحب بھی اس کے مزاج سے ایک اجنبی کی طرح ناواقف تھے البتہ یہ ضرور سمجھتے تھے کہ اس کا کردار قابل فخر ہے ۔ اس کے ارادے بہت ٹھوس ہیں جو کسی وقت بھی نہیں لچک سکتے

میری کی (؟) عادت پر وہ خوش ہی نہیں تھے بلکہ ان کو ناز تھا ـــ کہ ان کی لڑکی ہر قسم کی آزادی کے باوجود اس قدر مستقل مزاج ہے جس پر اس کے طویل مستقبل کی مضبوط اور خوبصورت بنیادیں قدرتی طور پر رکھی جا رہی ہیں اس لئے وہ ہر طرح اس کی دلجوئی کرتے تھے ـــ انہوں نے اس کو ہر قسم کی آزادی دے رکھی تھی۔ یہاں تک کہ شادی جیسا اہم بار بھی اس کے ہی دور اندیش ذہن کے سپرد کر دیا تھا جس کے بارے میں وہ ابھی تک خاموش تھی۔ اور رنجو صاحب اس کی پسند کے خلاف کوئی قدم اٹھانا اپنی منصف مزاجی کے خلاف تصور کرتے تھے۔

لیکن دنیا اور دنیا والے ـــ لڑکی کی پسند یا اس کے باپ کے ارادوں کی کب پرواہ کرتے ہیں ـــ یہاں تو بس جوانی کا آنا۔ ایک قیامت ہے ـ جہاں کوئی لڑکی سن بلوغ کو پہنچی اور ہوس پرستوں نے جال ڈالنے شروع کئے ـــ جن کا ہر پھندا دلفریبی اور طلائی ہوتا ہے ـــ حد نگاہ تک سبز باغ کے خوشنما پودے۔ لہلہاتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ـــ جن کی دیدہ زیب جھلکیاں پر شگون مستقبل سے معمور ہوتی ہیں ـــ مگر جیسے ہی پانے اپنی مراد کو پا لیتا ہے۔ تو وہ تمام خوبیاں پھنسنے والے پنچھی کے ذہن میں۔ اپنے دھندلے دھندلے نقوش چھوڑ کر رخصت ہو جاتی ہیں ـــ اور چالاک شکاری اس کی نادانی پر قہقہے برساتے برساتے اپنی بھوک اس طرح مٹاتا ہے کہ ـــ جس طرح خود غرض کتا سینکڑوں کتوں سے جھپٹ کر لائی ہوئی ہڈی کا رس اس وقت تک چوستا ہے جب تک

اس کے مضبوط جبڑے اور تیز دانت تھک کر چور نہیں ہو جاتے ۔

ایسی ہی میری کا کو حاصل کرنے کے لئے کئی نوجوان کوشاں تھے۔ لیکن مسٹر جون کے سامنے آتے ہی ان سب کے حوصلے پست ہو گئے، مسٹر جون کی دولت ان سب کے ارادوں پر غالب آ گئی — اور وہ احساسِ کمتری کا شکار ہو کر خود بخود ہی ۔ ان کے درمیان سے ہٹ گئے،

لیکن میری کے دل پر مسٹر جون کی دولت بھی فتح نہ پا سکی۔ ان کی شان و شوکت بھی اس کے ارادوں کو پرانی روش سے نہیں پھیر سکی۔ بلکہ جس قدر انہوں نے اس کے قریب آنا چاہا۔ اتنا ہی وہ دور ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ایک سال گذر گیا۔ اور مسٹر جون کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکے ۔

میری کی دلفریب جوانی برابر ان کو اپنی جانب کھینچ رہی تھی لیکن اس کا رویہ مسٹر جون کی سمجھ تو ہین تھا — جس کو وہ صرف اس امید پر برداشت کر رہے تھے کہ — اس نے اُن کے خیالات کی نہ تو کوئی مذمت کی تھی — اور نہ اظہارِ مسرت ۔ اس لئے جج صاحب کی نظر عنایت کا خیال خام پیدا ہو گیا ۔جس کو وہ اپنے والد سے جج صاحب کے دیرینہ مراسم کی آڑ لے کر — چالاک شکاری کی طرح — میری کو ہمیشہ کے لئے حاصل کرنے کا سہانا خواب دیکھنے لگے — اور کافی عرصہ سے اس امر کے متلاشی تھے کہ موقع ملے تو کچھ عرض کروں ۔

آخر ش آج وہ گھڑی آ گئی — کیونکہ گذشتہ چار یوم سے جج صاحب کی طبیعت ناساز ضرور تھی — لیکن آج وہ حرارت بڑھ جانے کی وجہ سے

خلاف معمول ہوگا۔ یہ بیمار ہے — اور میری تو یہ سمجھتے ہوئے پہلے ہی چلی گئی تھی کہ — مسٹر جون پھر کہیں آفت کی طرح نازل ہوگئے تو یقینی طور پر اس کو اپنا معمول بدلنا پڑے گا۔

اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ مسٹر جون جج صاحب کی بیماری سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے تفریح کی آڑ لے کر — میری کے ساتھ تنہائی میں — وہ لمحے گذار کر اپنا مدعا بیان کرنا چاہتے تھے جس کو تقریباً گذشتہ ایک سال سے سینہ میں چھپائے پھر رہے تھے۔

لیکن میری نے حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ جانا مناسب نہیں سمجھا — اور نہیں گئی —— حالانکہ ایسے اتفاقات پہلے بھی کئی بار آچکے تھے۔ اور جج صاحب نے اصرار بھی کیا تھا — لیکن چونکہ وہ بہت معاملہ شناس تھی۔ اس لئے ہر بار کسی نہ کسی بہانے ٹال دیا۔ بالآخر مسٹر جون اس کے ارادوں کو سمجھتے ہوئے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگئے کہ یہ لڑکی کسی طرح بھی ان کی جانب مائل نہیں ہوسکتی — اس لئے جج صاحب کو اپنے شکنجہ میں پھانس لیا جائے۔

وہ اپنے اس داؤ کا منصوبہ بہت پہلے تیار کر چکے تھے لیکن میری کی موجودگی ہر بار ان کے آڑے آجاتی تھی — لیکن آج خلاف توقع یہ زریں موقع ان کے ہاتھ آگیا — اس لئے دیرینہ مراسم کی آڑ لے کر اس جوانی کو حاصل کرنے کی ابتدائی جدوجہد شروع کردی جس نے ہر جذباتی نفسیاتی اور روحانی پہلو کو نظرانداز کردیا تھا — ان کی تمام تر صلاحتیں بیکار

کر دی تھیں۔ جو تیس سال کی زندگی میں اسے بہت سے کھیل کھیل چکے تھے جن کا ثمر دولت کے شاداب گلستان میں سیاہ بھنورے کی مانند کئی پھولوں کے نازک رخساروں کا رس چوس چکا تھا۔

ان کے لئے میری کو اپنے شکنجہ میں پھانسنا بھی کوئی اہم مسئلہ نہیں تھا۔ یہی سوچتا کہ وہ متواتر جدوجہد کرتے رہتے ——— لیکن اس کا کردار ان کے لئے موثر کی موت ثابت ہوا تو ——— انہوں نے یہ آخری پھندا ——— اس کی بیٹی موجودگی میں جج صاحب کی طرف پھینکتے ہوئے کہا میں دیکھ رہا ہوں آپ کی صحت مسلسل علالت کے سبب ——— دن بدن بگڑتی جا رہی ہے ——— اس کا مناسب تدارک فرمائیے ورنہ معمولی بیماری خطرناک صورت اختیار کر جاتی ہے۔

جج صاحب نے مسکراتے ہوئے لقمہ دیا!

"موت اور زندگی خدا کے اختیار میں ہے جو کبھی نہ کبھی ضرور آتی ہے لیکن جہاں تک تدارک کا تعلق ہے تو دنیا کا ہر انسان آخری ساعتوں میں بھی کافی جدوجہد کرتا ہے۔ ۔ اس لئے میں بھی کئی ڈاکٹروں سے مشورہ کر چکا ہوں، اور برابر علاج بھی جاری ہے لیکن شفا تو اس کے ہی اختیار میں ہے۔ جس نے پیدا کیا ہے۔"

مسٹر جون نے سنجیدگی سے کہا۔

یہ تو بجا فرمایا۔ لیکن یہ بھی تو ملاحظہ فرمائیے کہ آپ کو آب و ہوا تبدیل کئے ہوئے عرصہ گذر گیا ہے، ——— جبکہ مسلسل ایک جگہ رہنے سے انسان

کی صحت پر یقینی اثر پڑتا ہے۔ اس لئے میرے خیال میں علالت کے ساتھ اگر آپ آب وہوا تبدیل کر لیں۔ تو بہت جلد طبیعت بحال ہو جائے گی

جج صاحب نے فرمایا۔

• مسٹر جون یہ درست ہے لیکن اپنی صحت کے خیال سے میری کو اکیلا کیسے چھوڑ دوں، اور کہیں پر ساتھ یوں نہیں لے جا سکتا کہ اس کے امتحان کا صرف ایک مہینہ رہ گیا ہے

مسٹر جون نے بات کاٹی۔

• معاف فرمائیے! آپ کی صحت ان کی تعلیم سے کہیں زیادہ ہے۔ اگر خدا نہ کرے آپ کو کچھ ہو گیا تو — پھر وہ کیا کریں گی۔ اور کون ان کا خیال رکھے گا کس طرح اکیلی رہیں گی — یہ بھی تو آپ کو سوچنا چاہیئے؟

جج صاحب نے ایک ٹھنڈی سانس فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا۔

• میرا ذہن بھی ہر وقت اسی الجھن میں گرفتار رہتا ہے۔ اور چاہتا ہوں کہ اس کی شادی ہو جائے — لیکن بغیر اس کی پسند کے، زندگی کے اس اہم رشتہ کو میں ترتیب بھی کس طرح دے سکتا ہوں۔ جبکہ اس کو دنیا میں زندگی کا ایک بڑا حصہ گذارنا ہے۔ ایک طویل سفر طے کرنا ہے تو یقیناً ہمسفر بھی اس کا پسندیدہ ہونا چاہیئے، تاکہ ان ترچھے اور خطرناک راستوں میں دونوں ایک دوسرے کے بہترین ساتھی بن کر زندگی گذار سکیں۔ اور اس منزل تک پہنچ جائیں جہاں ایک دن سب کو جانا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ کوئی آج اور کوئی کل — بہر توں اس مسافت میں، اگر مسافر با اخلاق اور سنجیدہ ہوں تو

راستے کی تکان نہیں ہوتی ہے — ورنہ آدھے ہی راستے پر تھک کر بیٹھنا پڑتا ہے — اور یہ بات میں نہیں چاہتا کہ میری چند دن بعد کسی دوسرے مسافر کا ساتھ لینے پر مجبور ہو؟

مسٹر جون نے جج صاحب کی تقریر بغور سنتے ہوئے کہا۔!

"یہ درست ہے — لیکن یہ بھی تو ملاحظہ فرمائیے کہ وہ اس قسم کی لڑکیوں میں سے نہیں ہیں جو — اپنی ہر خواہش والدین پر ظاہر کر دیتی ہیں اس لئے آپ کو ہی کوئی قدم اٹھانا چاہیئے۔

جج صاحب نے سگار کا گل ایش ٹرے میں جھاڑتے ہوئے کہا۔

میں تو اس وقت ہی کوئی قدم اٹھا سکتا ہوں جب اس کے خیالات کا مکمل نہیں تو مبہم سا شائبہ ہی معلوم ہو — ورنہ وہ ضرور یہ سوچے گی کہ یا تو ڈیڈی کو اس پر اطمینان نہیں — یا پھر وہ اس کی کفالت کا بار اٹھانے سے گریزاں ہیں۔"

جون نے لقمہ دیا۔

معاف فرمائیے — اگر وہ زندگی بھر اس طرح خاموش رہیں تو کیا آپ یہ گوارا کریں گے کہ میری کا اس دنیا میں کوئی شریک حیات ہی نہ بن سکے۔؟

جج صاحب نے برجستہ کہا۔

کبھی ہرگز نہیں۔ بھلا کوئی باپ دنیا میں یہ گوارہ کر سکتا ہے کہ اس کی اولاد نہ پھلے پھولے؟

جون نے بات کاٹی۔!

تو پھر ۔ الفی کا انتخاب بھی آپ کو ہی کرنا پڑے گا ۔

جج صاحب کچھ سوچتے ہوئے بولے ۔

" تمہارا خیال بھی اپنی جگہ ٹھیک ہے ۔ لیکن ۔۔۔ ؟

مسٹر جون نے قدرے اضطراب سے کہا ۔

" لیکن کیا ۔ ؟

جج صاحب نے چونک کر کہا ۔ !

" کچھ نہیں ۔"

" جون نے فوراً کہا ۔ !

" معلوم ہوتا ہے آپ خود بھی ان کی شادی سے گریز کرتے ہیں "

جج صاحب فوراً کہا ۔ !

" معلوم ہوتا ہے آپ خود بھی ان کی شادی سے گریز کرتے ہیں "

جج صاحب نے فوراً کہا ۔ !

" نہیں ایسی کوئی بات نہیں ۔ بلکہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ معاملہ کی تمہید کس طرح کروں ۔ لیکن خیر یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے ۔ بہر نوع آج ضرور اس معاملہ پر کچھ نہ کچھ اظہار کروں گا "

مسٹر جون نے معاملہ کی نزاکت کا ۔ فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا ۔

میرے خیال میں اگر آپ ان سے یہ کہیں ۔ تو زیادہ بہتر ہے یعنی مجھے ہی تصور فرمایئے ۔"

جج صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا ۔

اپنے متعلق تم نے خود کیوں نہیں پوچھ لیا۔

جون نے کہا:

"کیا عرض کروں۔ ایک سال سے اس موقع کی تلاش میں رہا۔ لیکن انہوں نے کبھی مجھے زیادہ بڑھنے نہیں دیا۔ اس لئے آج آپ سے بھی عرض کر دیا۔ تاکہ ...؟

جج صاحب نے لقمہ دیا۔

میں سمجھ گیا۔ اچھا دیکھو اس کا خیال معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔ لیکن وعدہ نہیں کرتا۔ ہو سکتا ہے وہ — تمہارے بارے میں کوئی معقول جوا نہ پیش کر دے۔"

مسٹر جون نے موقع غنیمت جانتے ہوئے کہا۔

مجھ سے زیادہ تو آپ میرے حالات سے واقف ہیں — آپ کی نگاہیں کی زندگی سے اب تک میرا گہرا مطالعہ کر چکی ہیں — اگر آپ چاہیں تو میری یہ دلی آرزو بھی پوری ہو سکتی — اور مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کی بات کبھی ہرگز نہیں ٹال سکتیں۔

جج صاحب نے کہا۔!

یہ ٹھیک ہے مسٹر جون کہ میں اس کا باپ ہوں — اور ایک لائق اولاد کا اپنے باپ کی بات یا آرزو کبھی رد نہیں کر سکتی ہے — لیکن یہ بھی اچھی طرح سمجھ لو کہ میں اس کو کسی طرح مجبور نہیں کر سکتا ہوں۔"

ایسا نہ کہئے۔ یہ میری زندگی کا سوال ہے۔"

" جج صاحب کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ میری ان کے نزدیک آتے ہوئے بولی۔
ہیلو! ڈیڈی۔ عدالت تو نہیں بیٹھی۔ ؟"
نہیں ابھی تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی ہے، اور ہاں۔ کیا تم مسٹر جون
سے ناراض ہو۔ یہ ابھی تمہاری شکایت کر رہے تھے کہ میری مجھ سے بات
تک نہیں کرتی ہیں ؟
میری نے جون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔!
ان کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ رہا بات کرنے کا سوال ــــ تو بلا ضرورت
اور بے معنی گفتگو کرنے کی میں قائل نہیں ہوں۔"
جون نے لقمہ دیا۔
لیکن دوستوں سے کوئی آپ کی طرح بھی پیش نہیں آتا ہے۔
" دوست ـــ؟ آپ میرے دوست تو نہیں ہیں۔"
یہی تو شکوہ ہے کہ آپ ابھی تک غیر ہی سمجھتی ہیں :
معاف کیجئے، میں آپ کو دوست سمجھ کر عقل کے ساتھ دھوکہ نہیں کرسکتی۔
تو کیا آپ مجھے آوارہ سمجھتی ہیں ؟"
خدا نہ کرے میرا یہ مقصد بھی نہیں ہے، کہ آپ آوارہ ہیں لیکن میں
علالت سے مجبور ہوں۔ اس لئے آپ مجھے مجبور نہ کریں :
یہ تو میری زبردست توہین ہے کہ آپ کے گھر آؤں اور آپ مجھ سے
بات تک نہ کریں۔"
جج صاحب نے لقمہ دیا۔

ہاں مسٹر جون ۔ یہ تو انہوں نے ٹھیک کہا۔ اور اب غالباً تمہارے پاس اس بات کا جواب بھی نہیں ہو گا ۔

جون نے مسکراتے ہوئے کہا ۔

" غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے " اچھا ہوا جو اس وقت معاملات صاف ہو گئے ۔ نہیں تو یہ بات میرے دل میں پختہ ہوتی جا رہی تھی ۔

لیکن اب مجھے کوئی شکایت نہیں ہے مس میری نے بہت خوبصورتی سے میرا دل صاف کر دیا ۔

جج صاحب نے ہنستے ہوئے کہا !

اسی لئے تو کہتے ہیں کہ معاملات کا جائزہ لے کر کسی قسم کا خیال قائم کرنا چاہیے نہیں تو بہت خراب نتائج رونما ہوتے ہیں ۔

وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے کہ ملازم نے آکر کہا ۔ کھانا چن دیا گیا ہے اور جج صاحب اپنی عادت فوراً ہی اٹھ کھڑے ہو گئے ۔ لیکن مسٹر جون باوجود اصرار کے ان کے ساتھ جانے کے بجائے ۔ ضروری کام کا بہانہ کر کے وہاں سے روانہ ہو گئے ۔ کیونکہ نو بج رہے تھے ۔

کھانے کے دوران جج صاحب نے میری سے جون کی بابت کچھ نہیں کہا ۔ کیونکہ وہ ہر پہلو کی نزاکت کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد کسی بات کو زبان پر لانے کے عادی تھے ۔ اس لئے مسٹر جون کی قسمت کا فیصلہ کسی اہم مقدمہ کی طرح ایک نہ معلوم وقت کے لئے ان کے دور اندیش ذہن میں محفوظ ہو گیا ۔

دوسرے دن حسبِ معمول جب میر تقی سو کر اٹھے تو اس کی نگاہیں اخبار کی اس سرخی پر جم گئیں جس میں بنگال کے قحط کی لرزہ خیز داستان اس طرح لکھی گئی تھی کہ پڑھنے والے کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

حالانکہ یہ قحط کی خبروں کا سلسلہ تقریباً چار یوم سے برابر جاری تھا مگر وہ حالات جو آج تحریر کیے گئے تھے اس سے قبل شائع نہیں ہوئے تھے۔ بات کی طرح وہاں کا بھی مختصر اور معمولی حوال درج کیا جا رہا تھا۔

لیکن آج جس صورت حال کا اظہار کیا جا رہا تھا وہ نہایت عبرتناک تھی اس لیے میر تقی نے بغور اس کالم کو پڑھا جس میں ان بےکس و مجبور انسانوں کی سسکیوں کے ساتھ بار بار مخیر حضرات کے ضمیر کو ان کی امداد کے لیے بیدار کرنے کی سعی کی گئی تھی۔ تاکہ وہ اپنی تجوریوں کے منہ کھول کر بھوک کے شکنجہ میں پھنس کر بے موت مرنے والوں کی زندگی بچا کر انسانیت کا سر بلند کر سکیں ملک اور قوم کے ماتھے پر لگنے والے اس بدنما داغ کو دھو سکیں جو ان کی غفلت کے سبب لگ رہا تھا ان کی لاپرواہی اور لالچ کی وجہ سے سینکڑوں انسان اس دور میں اپنی زیست سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے جبکہ زمانہ ترقی کے منازل طے کر رہا ہے۔ بہر نوع ہر طرح یہ بات واضح کی گئی تھی کہ اب ان کی زندگی اور موت

ان انسانوں کے ہاتھ میں ہے۔ جن کی تجوریاں نوٹوں سے بھری ہوئی ہیں۔ جن کے گودام اناج سے پٹے پڑے ہیں۔ جن کو دنیا کا ہر عیش میسر ہے جو صبح سے شام تک اربوں روپیہ کا جوا کھیلتے ہیں۔ وہ ایک داؤ انسانیت کے لئے بھی لگا دیں۔

غرض اس قسم کے نا معلوم کتنے الفاظ۔ اس تحریر میں۔ اس طرح جڑے ہوئے تھے کہ۔ اس کا نازک دل بے چین ہو گیا۔ اور خیالات نے ان بد قسمت افراد کی بے بس زندگی اور بے کس موت کے گرد ایسا حلقہ ڈال دیا۔ کہ اس کی آنکھوں کے سامنے لاتعداد ہاتھ روٹی کے ایک ٹکڑے کی خاطر پھیل گئے۔ متعدد انسانوں کے لاغر ڈھانچے بھوک سے بلک بلک کر دم توڑتے ہوئے نظر آنے لگے۔ سینکڑوں معصوم بچوں کی دردناک چیخیں اس کے کانوں میں گونجنے لگیں۔ جو اپنی ماں کی لٹکی ہوئی چھاتیوں کو۔ دودھ کے ایک قطرے کی خاطر چوس کر ناکام ہونے کے بعد تڑپتے ہوئے۔ قدرت کے ان الفاظ کو للکار رہے تھے کہ۔ تو کیسا رزاق ہے جو ہمارا پیٹ نہیں بھرتا۔ تو کیسا داتا ہے جو پیدا کر کے اس طرح نابود کر رہا ہے۔ لیکن منہ بند یزداں ساکت تھی۔ رحمت کے دروازے بند تھے۔ قہر رائج تھا۔

جب بھی تو ماں کی ممتا بھری آواز سے دل تھی۔ رشتہ خواروں کی ترحیب ہے کہ تھی جو کھوکھلی ہوئی ہڈیوں کے ڈھانچے سسک رہے تھے۔ مرنے والوں کی لاشیں کفن کے لئے ترس رہی تھیں۔ اور روٹی کے لئے پھیلے ہوئے ہاتھ آسمان کی بلندیوں تک پہنچ رہے تھے۔ موت ان کی حالت پر فلک شگاف قہقہے برسا رہی تھی۔

یہ تمام خیالات میری کے ذہن میں سیلولائیڈ پر چلنے والی کہانی کی

طرح گردش کر گئیے ۔ تو وہ تڑپ کر اٹھی ۔ اور حسب دستور غسل کرنے کے
بجائے صرف منھ ہاتھ دھو کر ناشتے کی میز پر جا پہونچی ۔
کیونکہ جج صاحب کا معمول تھا کہ ناشتہ ہمیشہ میری کے ساتھ ہی کیا کرتے
تھے حالانکہ اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا کہ کچھ کھائے مگر جج صاحب کی پریشانی کی وجہ
سے وہاں چلی گئی تا کہ وہ اس کے ناشتہ نہ کرنے کی وجہ سے کہیں پریشان نہ ہوں ۔
جس وقت میری وہاں پہنچی تو جج صاحب ۔
اس کو دیکھتے ہی اخبار بند کر کے میز پر رکھتے ہوئے بولے ۔ !
تم نے تو غالباً اخبار دیکھ لیا ہو گا ۔
جی ہاں ۔ بنگال کے قحط کی تو بہت ہی لرزہ خیز داستان لکھی ہے ؟
ہاں یہی میں پڑھ رہا تھا ۔
میری نے کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ۔ !
خدا کی شان ہے ۔ ایک ہی ملک کے ایک خطے کا انسان بھوک سے تڑپ تڑپ
کر جان دے رہا ہے ۔ اور اس پاس ۔ وہی مسرت اور سکون کے شادیانے بج رہے ہیں ؟
جج صاحب نے پیالے کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے کہا
اگر یہی الٹ پھیر نہ ہو تو اس کو دنیا کون کہے ؟
میری نے ایک توس اٹھاتے ہوئے کہا ۔ !
لیکن انسانیت بھی کوئی چیز ہے ڈیڈی ! ؟
جج صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا ۔
اور لفظوں کی طرح یہ الفاظ بھی دنیا والوں نے رائج رکھا ہے ۔ ورنہ

اگر غور کیا جائے۔ تو انسانیت کا نام و نشان ہی مٹ چکا ہے۔"

میری نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اگر انسانیت کا نام و نشان مٹ چکا ہے تو اس معاشرے کو بھی مٹ جانا چاہئے۔ جو فرسودہ اصولوں کا ڈھول گلے میں ڈال ــــ کر۔ صدیوں سے اپنی خیر خواہی کا اعلان کر رہا ہے۔

جج صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

تم تو بالکل ہی ناسمجھ ہو۔

کیوں۔؟"

اس لئے کہ ہمارا۔ اس تہذیب۔ اور معاشرے سے کیا تعلق جہاں صوبائی تعصب۔ نسلی امتیاز۔ اور زبان کے فرق کو معمولی معمولی باتوں میں استعمال کیا جاتا ہے وہاں یہ مسئلہ بھی انہی بے بنیاد اور کمتر پہلوؤں کی آڑ لے کر نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

میری نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

کچھ بھی سہی۔ لیکن یہ موقع اس طرح خاموش بیٹھنے کا نہیں یقیناً طور پر اس سلسلہ میں جدوجہد کروں گا۔ اور مجھے یہ بھی توقع ہے کامیابی بھی ضرور ہوگی خواہ یہ معاشرے سے بغاوت ہو یا ان اصولوں سے جو ایک طویل مدت سے اس ملک میں رائج ہیں۔

جج صاحب نے کہا۔

لیکن یہ کام اکیلے رہ کر بہت ہی مشکل ہے۔ اور اگر تم نے اس طرح اٹھنے کی کوشش بھی کی تو پانی کے بلبلے کی طرح ــ چند لمحوں کے لئے ابھر کر پھر

ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاؤ گی۔ اس لئے بہتر تو یہ ہے کہ خاموش رہو۔ اور جو اگر تمہارا جذبہ اس امر کی اجازت نہیں دیتا تو دو چار اپنے ہم خیال تلاش کرو۔ تاکہ وہ ہر طرح تمہاری مدد کر سکیں۔ ویسے میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ لیکن اگر اس ارادے سے باز آجاؤ تو زیادہ بہتر ہے۔

میری نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

باز آجاؤں۔؟ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ میرا جذبہ مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔ کہ ناکامی کے خوف سے ان مظلوموں کی امداد نہ کی جائے جن کا کوئی قصور نہیں۔ میں اپنے آپ کو اکیلا سمجھ کر ہمت اور یقین کے دو عظیم سہاروں کو اس خوف سے نہیں توڑ سکتی۔ کہ میری معاونت کوئی بھی نہیں کرے گا۔ اور اگر میرے ساتھ ایسا ہوا تو یقین کیجئے میں اس طبقے سے بغاوت کر دوں گی۔ جن کی زندگی کا مقصد دولت اور عیش ہے۔

جج صاحب نے کہا۔

تم اور تمہارا جذبہ دونوں کم عقلی کی دلیل ہیں۔

وہ کیسے۔؟

سرمایہ دار سے بغاوت کرنا معمولی بات نہیں ہے۔

بغاوت سے یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں ان کے معاملات میں دخل دوں گی بلکہ ان کو اس کے لئے مجبور کروں گی کہ وہ حسب حیثیت ان کی مدد کریں۔ جو بے موت مر رہے ہیں۔

جج صاحب نے کہا۔

میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ تم کچھ نہ کرو۔ بلکہ صرف یہ چاہتا ہوں کہ اگر تمہارا

کوئی ہم خیال اور بھی ہو جائے تو اچھا ہے۔ ایسے کام اکیلے نہیں کئے جاتے۔ اور چونکہ روپیہ کا معاملہ ہوتا ہے اس لئے اکیلے کام کرنے کی اجازت حکومت بھی نہیں دیتی۔ اور قانون شکنی وقت کا سب سے بڑا جرم ہے جس کی گرفت سے کوئی بھی نہیں بچتا۔ اس لئے تم باقاعدہ اپنی کمیٹی مقرر کرو تاکہ تمہاری اور تمہارے ارادوں کی پوزیشن مستحکم ہو۔ پھر تم جو بھی کرو گی اور جس طرح بھی کرو گی۔ قانون اور حکومت تمہارا ساتھ دے گی۔

میری نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"بہتر ہے۔ میں کالج جا رہی ہوں وہاں پرنسپل صاحب سے بھی مشورہ کروں گی اگر وہ آمادہ ہو گئے تو پورا کالج میرا ساتھ دے گا۔ ہر طالبعلم میرے ساتھ تعاون کرے گا۔ اس طرح ہر معاملہ میں سہولت کے ساتھ ایک بڑی جماعت بھی ہو جائے گی۔

جج صاحب نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

ہاں۔ ان سے ضرور مشورہ کرنا۔ اور ساتھ ہی میرے لئے بھی کہہ دینا کہ ہر طرح تم سب کے ساتھ ہوں۔

میری نے کہا۔

بہت بہتر ہے" اور باہر نکل گئی۔ جج صاحب بھی ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے اس لئے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے کیونکہ طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے چھٹی لے لی تھی۔

***

معمول کے مطابق آج بھی کالج کی چہار دیواری - طلباء و طالبات کے اجتماع سے رونق کا گہوارہ بنی ہوئی تھی - اور جا بجا چھوٹی چھوٹی ٹولیاں مصروف گفتگو نظر آرہی تھیں - مگر آج فضا میں بکھرنے والے الفاظ — حسن کے ناز و انداز — اور جوانی کی اٹھکھیلیوں کے بھرپور تاثرات سے خالی تھے۔ ان میں اشاروں کنایوں کی وہ چہل پہل نہیں تھیں، جو عام طور پر بیشتر طلباء کے ذہن کا محور بنا رہتی تھیں - جس کے پس پردہ عشق کی فرسودہ کہانیاں اور اپنی اپنی پسند کی نمایاں خصوصیت ہوا کرتی تھی۔

اسی طرح طالبات کی تیز تیز اور چمکیلی آنکھیں بھی - کسی کو اپنے الفاظ سے احمق بنانے کی فکر میں سرگرداں نظر نہیں آرہی تھیں، — بلکہ قدرتی چھیڑ چھاڑ کا یہ مرکز جہاں دو متضاد ہستیوں کو ایک حلقہ میں رکھ کر فطری کشش اور بیگانگی کو نظر انداز کرنے کی وہ ناکام کوشش کی گئی تھی - جو سماجی، مذہبی اور گھریلو پابندیوں کو ملحوظ رکھنے کے باوجود، دور دور سے آنکھوں ہی آنکھوں میں عشق کی حقیقی یا بے بنیاد کہانیوں کو جنم دے کر - جوانی کی رنگینیوں کے اس ساغر میں سمانے کی سعی کرتے ہیں جس کا خمار صرف دو زندگیوں کے لئے محدود ہوتا ہے

جس کے سرور سے وہ مختلف جوانیوں کے ولولہ انگیز جذبات ہی فیضیاب ہو سکتے
ہیں۔ اور اکثر ہوتے ہیں۔ خواہ کتنی ہی پابندیاں اور کتنی ہی رکاوٹیں ہوں
لیکن جس طرح بہار میں پھولوں کا کھلنا لازمی ہے۔ اسی طرح جوانی میں حسن کی
نگاہ التفات عشق کی وارفتگی بھی یقینی ہے۔

چہ جائیکہ یہ ماحول۔ جہاں قربت کے ساتھ ساتھ آزادی بھی حاصل ہو
تو ہم آہنگی نہ پیدا ہوتا کیا معنی۔

لیکن آج تو خلاف معمول سب کے ذہن اسی ایک مرکز پر قائم تھے جو وزیر
کے دل میں ایک درد بن کر اس کے نازک مزاج کو بار بار ٹھیس پہنچا رہا تھا جس
نے انسانیت کا سر بلند کرنے کی جد و جہد کرنے کی ... وہ جہد کرنے کا ... عزم کیا تھا
جو اس کی لباط سے قطعاً باہر تھا ... اور جس کے لئے کوئی ... تصور بھی نہیں کر سکتا
تھا کہ وہ دوشیزہ جس کی سنجیدگی اس ... کے غرور کی دلیل بن ہوئی ... اس ... غریب
پرور اور ... ہے۔ کہ اپنی ... کی خوبصورتی اور نزاکت ... کو نظر انداز کرنے ایک
باعمل ... کی طرح ملک اور قوم کی پیشانی پر لگنے والے ... داغ کے مٹانے
کی سعی کریگی جو وقت کا بدترین ... حادثہ بن کر ... دور کی ... سیاہ الفاظ سے
درج ہونے کے بعد باعث ذلت ہی ... بلکہ ... دور کی ... ثابت ہوگا۔

وہ ابھی اس وقت ... تھی اور ... طالبات کی آمد کا سلسلہ جاری تھا کہ میری
بھی آگئی جس کے حسن کی عظمت ... کے سینکڑوں نگاہیں اٹھیں اور جھک کر زمین
پر بچھ گئیں۔ کیونکہ ہر دل پر محبت نے بھیانک تاثرات چھائے ہوئے تھے اس لئے
انہوں نے اس کی راہ میں آنکھیں بچھا دیں اور وہ اسی طرح بغیر کسی کی پرواہ کئے۔ تیز

تیز قدم اٹھاتی ہوئی۔ پرنسپل کے کمرے میں داخل ہوئی۔ اور کہا۔
کیا میں اندر آسکتی ہوں۔ ؟؟

ضرور ضرور ؟ پرنسپل صاحب نے فوراً کہا۔ اور وہ بغیر تامل اس طرح ان کے نزدیک پہنچ گئی جیسے سب کچھ ایک سانس میں ہی کہہ ڈالے گی ــ مگر دفعتاً اس کی نگاہیں۔ شمس کے جاذب نظر چہرے سے ٹکرائیں جو کافی دیر سے پرنسپل صاحب سے محو گفتگو تھا۔ مگر میری کی بیجا ندامت نے اس کی آواز دبا دی اس کی زبان سے نکلنے والے وہ الفاظ بند کر دیئے جو تقریباً ایک گھنٹہ سے پرنسپل صاحب کے کا سنا رہے تھے اور کوئی اٹل فیصلہ ابھی دونوں کے درمیان نہیں ہوا تھا اس لئے شمس کو میری کا اس طرح آنا کچھ بار گذرا اس کے ماتھے پر غور و فکر کی تین لکیریں عود کر آئیں جو اکثر اس کے خیالات کا اظہار کرتی ہوئی نظر آیا کرتی تھیں مگر اس برگشتگی کے عالم میں بھی وہ سب کو بھلا ہی دکھائی دیتا تھا۔

حالانکہ میری کی طرح اس کے احباب کا دائرہ بھی محدود تھا اس کے خیالات بھی سنجیدگی کی طرف مائل تھے، لیکن ایک ذہین طالبعلم ہونے کی وجہ سے اکثر طلباً خود اس کے نزدیک پہنچ کر اپنی ذات میں فخر محسوس کیا کرتے تھے۔ اور وہ ایک مہذب دوست کی طرح ان کے پاکیزہ خیالات کو ترقی اور کامیابی کی طرف اس طرح لے کر چلتا تھا۔ جیسے ان کا عروج خود اس کے مستقبل سے وابستہ ہے۔

لیکن میری ان حالات سے بھی بے نیاز تھی ہاں اگر لگاؤ تھا تو اس قدر کہ وہ اپنے ہم جماعت طلبار کی صورت آشنا تھی، اور طالبات کا نام بھی جانتی تھی۔ اس سے زیادہ آگے بڑھنے کی وہ مطلق قائل نہیں تھی۔ دوسرے اس کی کم گوئی کے

سبب خود ہی ہر لڑکا اور لڑکی اس سے بات کرتے ہوئے جھجکتے تھے اس لئے وہ بہ نسبت شمس کے بہت ہی محتاط واقع ہوئی تھی جس کے بارے میں شمس کو بھی علم تھا لیکن وہ اس کو ایک دولتمند عیسائی جج کی آزاد خیال اور مغرور لڑکی تصور کر چکا تھا اس کے نزدیک میری کا حسن سحر خیز۔ اس پتھر سے کسی طرح بھی زیادہ نہیں تھا۔ جس کا ایک حصہ کسی ماہر اور باذوق آرٹسٹ کے ہاتھ اں میں پہنچکر خوبصورتی۔ مجسم چہرہ بن گیا ہو اور دوسرا حصہ ٹوٹ کر بیکار ہو گیا ہو ۔۔ ان دونوں کو اگر اکٹھا رکھ دیا جائے تو کوئی بھی ان شستہ ٹکڑوں کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھے گا۔ اور نہ یہ غور کرے گا کہ اگر یہ مجسمہ حسن ۔۔ آرٹسٹ کے خیال میں نہیں آتا تو یہ پتھر کا بت پتھر ہی ۔ ہتا اور ہماری نگاہیں اس شوق سے اس کی جانب کبھی ہرگز نہیں اٹھتیں ۔ اس لئے ہمیں اس آرٹسٹ کا مشکور ہونا چاہئے جس نے ایک معمولی پتھر کو اس قدر اہمیت دی ۔ ورنہ اس کی قدر و قیمت اور اس دنیا میں ۔ کبھی ہرگز نہیں ہوتی جس کی بنیاد دلبستگی پر رکھی گئی ہے ۔

یہ بات کبھی کبھی اس کے ذہن میں میری کے حسین خد و خال دیکھ کر پیدا ہوا کرتی تھی اور ایک تلخ مسکراہٹ کے بعد زائل ہو جاتی ۔ کیونکہ وہ اس کے لئے ہی نہیں بلکہ ہر فرد کے لئے معمہ تھی ۔۔ اس لئے آج بھی جب وہ اس کی باتوں میں مخل ہوئی تو اس کا موڈ بگڑ گیا۔ اور اچانک دماغ میں یہ بات پیدا ہوئی کہ کیا پرنسپل صاحب ایک جج کی لڑکی سے اس درجہ مرعوب ہو سکتے ہیں ؟ انہوں نے بغیر اس کے سوالوں کا جواب دیے اس کو اندر کیوں بلا لیا ۔ جبکہ ایک شخص کی موجودگی میں وہ کسی دوسرے سے گفتگو کرنے کے قائل تھے ۔ تو پھر

یہ اہم تبدیلی ضرور اس بات کی دلیل ہے کہ۔ وہ اس سے مرعوب ہو گئے۔
اس کے خیالات تو اس مرکز پر قائم تھے اور میری تنہائی کی منتظر تھی کہ
پرنسپل صاحب اس کو خاموش دیکھ کر اچانک بولے کہ۔

فرمایئے۔ کیسے آنا ہوا۔؟"

مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے"

پہلے آپ ان سے۔

ان کا معاملہ کچھ پیچیدہ ہے۔ آپ فرمایئے"

شمس نے لقمہ دیا"

میں اتنی دیر باہر کھڑا ہو جاؤں گا۔ اور کھڑا ہو گیا۔

میری نے فوراً کہا۔

آپ تشریف رکھئے مجھے تو بہت مختصر بات کرنی ہے"

پرنسپل صاحب نے کہا۔

آپ دونوں تشریف رکھئے" اور دونوں بیٹھ گئے تو پھر انہوں نے
پوچھا۔ ہاں ہاں مس میری۔ تو بتایئے کیا بات ہے تاکہ پھر میں ان سے۔

میری نے پلٹ کر شمس کی طرف دیکھا وہ نامعلوم کس خیال میں کھویا
ہوا تھا اور فوراً ہی کہنا شروع کیا!

میں صرف اس لئے حاضر ہوئی تھی۔ کہ بنگال کے قحط زدہ افراد کے
لئے کسی منظم اسکیم کو جلد از جلد عملی جامہ پہنا کر ان کی مدد کی جائے اس سلسلہ
میں ڈیڈی بھی تیار ہیں۔ اور میں آپ کو بھی شریک کرنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ آپ

کا تعاون اس کالج کے چھ ہزار طلبار کا تعاون ہوگا۔
پرنسپل صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔
" یہ لیجئے مسٹر شمس "
اور شمس نے چونک کر کہا۔

" جی ؟"
" کیا آپ نے کچھ نہیں سنا ۔ ؟"
" جی نہیں میں کسی اور خیال میں تھا۔
" خیر کوئی بات نہیں۔ پہلے ان سے ملو۔ یہ ہیں مس میری ۔ شمس نے لقمہ دیا
" جی ہاں۔ بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔ بلکہ ہر روز ہی دیکھتا ہوں "
" ہاں ٹھیک ہے۔ یہ تمہاری ہی تو کلاس فیلو ہیں۔ ؟"
" جی ہاں "
" ہوں۔ اچھا تو مسٹر شمس۔ میں پوری طرح تمہارے ساتھ ہوں۔ بلکہ مجھ سے زیادہ یہ"
" یہ ؟ شمس نے کہا "
ہاں بھئی۔ یہ بھی وہی اسکیم لے کر آئی ہیں۔ جو تم چاہتے ہو۔ اس لئے تم دونوں مل کر جو مناسب سمجھو کرو۔ ادھر میں تمہارے ساتھ پورا پورا تعاون کروں گا ادھر جج صاحب۔ یعنی ان کے ڈیڈی بھی ہر طرح تیار ہیں۔ بس اب آپ دونوں جا سکتے ہیں۔ مجھے کچھ اور کام بھی کرنا ہے۔"
شمس نے کہا " بہتر ہے "
میری نے کہا۔

تو پھر شام کو بنگلہ پر آپ بھی تشریف لے آئیے۔ تاکہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے۔ یہ سلسلہ شروع کر دیا جائے۔ دوسرے ڈیڈی بھی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ وہیں پر مسٹر شمس بھی آ جائیں گے اور جو طے پائے گا۔ اسی طرح کل سے کام شروع کر دیا جائے گا۔"

اچھا میں ضرور آؤں گا۔ باقی تم دونوں ایک دوسرے کے خیالات سے بھی واقف ہو جاؤ؟

میری نے کہا۔

جی ہاں۔ ہم دونوں آج شام تک ایک مکمل اسکیم تیار کر لیں گے۔ پھر جس طرح آپ فرمائیں گے ویسے ہی کام شروع کیا جائے گا۔"

پرنسپل صاحب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا:

میرا خیال ہے۔ اگر دو چار اچھے قسم کے لڑکے اور ساتھ ہو جائیں تو آسانی ہو جائے گی۔

شمس نے کہا: "آپ اطمینان رکھئے۔ کالج کا ہر لڑکا۔ اور لڑکی ہمارے ساتھ ہے۔

پرنسپل صاحب نے فوراً کہا۔

بس تو پھر آپ دونوں جس طرح چاہیں کریں۔ میں ہر طرح ساتھ ہوں اسی کی ضرورت بھی تھی۔

شمس نے جواب دیا۔ اور دونوں کمرے سے باہر نکل گئے۔

شام کو حسب وعدہ پرنسپل صاحب مہری کے بنگلہ پر پہنچے تو۔
جج صاحب اور ہٹمس بھی موجود تھے اس طرح تینوں کی موجودگی میں سب سے پہلے یہ طے
پایا کہ ایک انجمن " بنگال ایڈ سوسائیٹی (BANGAL AID SOCITY) کے نام
سے قائم کی جائے۔ اور حکومت سے رجسٹر کرانے کے بعد چندہ فراہم کرنے کی مہم کا
آغاز کیا جائے جس میں ان چاروں ممبروں کے علاوہ، دیگر طلباء کو بھی برابر کا
شریک کیا جائے۔ تاکہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ رقم وصول کر کے جس قدر
جلد ممکن ہو۔ حکومت کے تعاون سے۔ ان کی امداد کی جائے جن کو ضرورت ہے۔

اس کے علاوہ اوسط درجہ کے افراد سے روپیہ وصول کرنے کے لئے
ڈرامیٹک شو کھیلا جائے تاکہ وہ اپنے شوق اور دلچسپی کی وجہ سے اس کار خیر
میں حصہ بھی لیں اور معیار کے مطابق لطف اندوز بھی ہوں۔

لیکن قابل غور صرف یہ چیز تھی کہ اس ڈرامیٹک شو میں۔ ایسا کونسا مضمون
پیش کیا جائے جو ایک قلیل وقت میں کامیابی کے ساتھ کھیلا جاسکے اور جس کو
ہر طبقہ ہر مزاج کے انسان پسند کریں یہی ایک اسٹیج ڈرامے کی کامیابی کا ایک
زبردست راز ہے ورنہ اگر الٹے سیدھے قسم کا پلاٹ اسٹیج کر دیا جائے۔ تو ناکامی

کے سابقہ نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔

ان ہی۔ پہلوؤں پر سب کے ذہن گردش کر رہے تھے۔ کہ مسٹر جون بھی حسب عادت وارد ہو گئے تو میری کا موڈ آف ہو گیا۔ وہ نہیں چاہتی تھی یہ اس وقت آئیں لیکن اب کر بھی کیا سکتی تھی اس لئے خاموش رہی۔

اور نج صاحب نے اس طرح ان کا تعارف کرایا کہ آپ ہیں مسٹر جون میرے مرحوم دوست کے لڑکے اور شہر کے بڑے رئیس ؛

ان کا جملہ ختم ہوتے ہی جون کا مضبوط ہاتھ۔ فضا میں ا‌ٔ‌ٹھتا ہوا مصافحہ کیلئے آگے بڑھ گیا، ونج صاحب نے پرنسپل صاحب کے بعد شمس سے بھی باقاعدہ متعارف کرا دیا۔ لیکن شمس کی صورت اور نج صاحب کے الفاظ مسٹر جون کے ذہن میں الجھ کر رہ گئے ۔ ان کے خیالات کی پرواز کہیں سے کہیں پہنچ گئی ۔ جس کو میری کی دوراندیش نگاہوں نے بآسانی پہچان لیا وہ سمجھ گئی کہ اس وقت ان کے بدلے ہوئے تیور۔ کسی پوشیدہ خیال کا اظہار کر رہے ہیں اور شمس کی موجودگی ان کے دل پر کس طرح بار گذر رہی ہے۔

حالانکہ۔ ان کا تصور اپنی جگہ بہت ہی ناپائیدار تھا۔ لیکن محبت کا دوسرا نام بدگمانی ہے جو ایک سایہ کے دھندلے نقوش بھی پیدا کر دیتے ہیں۔ یہی اس لفظ کی پہلی اور آخری دلیل ہے۔ یہ جس قدر عام اور معمولی دبے کے تحت دل کی گہرائیوں میں چپ چاپ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بدگمانی بھی اپنا اثر کرلیتی ہے کیونکہ محبت اور رقابت کا ازل سے ساتھ رہا ہے اور رہے گا اس لئے مسٹر جون کے خیالات بھی ۔۔۔ اسی مرکز پر پہنچ گئے۔ جس کی صرف ایک یہی وجہ تھی کہ

ان کی نگاہوں نے آج پہلی بار۔ میری کے کسی دوست کو دیکھا تھا۔

دوسرے وہ ان کی بہ نسبت کافی خوبصورت اور جاذب نظر بھی تھا۔ اس کے بدن پر ہر قسم کا جامہ ۔۔ اس طرح زیب دیتا تھا۔ جیسے کسی ٹیلر کی اونچی دوکان پہ کسی ماہر فن آرٹسٹ کے ہاتھ کا تراشا ہوا مجسمہ۔ جامہ زیبی کی نمائش کے لحاظ سے رکھ دیا گیا ہو ــــ تاکہ دیکھنے والے اس کے آرٹ سے متاثر ہو سکیں۔

یہی وجہ تھی کہ کالج کی کئی طالبات ۔ خاص طور پر اس کی نظروں میں سماکر اپنی کشش کا مظاہرہ کرنا چاہتی تھیں۔ مگر شمس کے خیالات ۔۔ ایمان کی طرح پاک تھے۔ اور نگاہیں حسن کو ظاہری دلچسپی کا سامان سمجھ کر ہمیشہ دامن بچانے پر مجبور کر دیتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کسی حور شمائل کی طرف بھی اس غرض سے مائل نہیں ہوا کیونکہ ابتدائی دوستی ۔ عمداً زندگی کا عذاب بن جاتی ہے جس کی رو میں۔ مستقبل کے ساتھ، چند روزہ زندگی بھی تباہ ہو کر اسکا ذلت اور بدنامی کے بدنما طوق کو ہمیشہ کے لئے گلے میں ڈال لیتی ہے۔

یہ صرف اس کا اپنا نظریہ تھا۔ مگر کسی کو کسی کے خیالات کا علم ہونا۔ کوئی ضروری امر نہیں ہے بلکہ فی زمانہ تو اگر کوئی راہِ صداقت پر بھی گامزن ہو، تو ذرا مشکل سے یقین ہوتا ہے۔ پھر مسٹر جون ہی یہ کس طرح سوچ سکتے تھے کہ جو لڑکی ایک سال تک مختلف تدابیر کرنے کے باوجود ان کے نزدیک نہ آسکی وہ ایک مسلمان لڑکے پر اتنا زبردست اعتماد کس طرح کر سکتی ہے۔ جبکہ دنیا کا اہم ترین پہاڑ جس کی بنیادیں۔ ہمالہ کی کئی گنا زیادہ اور گہری ہیں۔ جس پر انسانی

امتیاز کا زبردست دارومدار قائم ہے ورنہ اولادِ آدم سے تو سب ہی انسان ہیں۔ لیکن مذہب کی تفریق ـــ اور وہ بھی دو دلوں کے درمیان دو مختلف راستے۔ جن کا میل کبھی نہیں ہوتا۔ ایک اگر صبح ہے تو ایک شام۔ گویا ایک دریا کے دو کنارے جو ہمیشہ ساتھ چلیں گے مگر ایک دوسرے کے قریب کبھی نہیں آسکے۔

یہ فرق میری اور شمس کے درمیان حائل تھا۔ وہ عیسائی تھی۔ اور یہ مسلمان۔ لیکن مسٹر جون اپنے جذباتی ولولے کے ہاتھوں اس قدر مجبور ہوئے کہ ان کا ذہن اس عمیق کھائی کی طرف مائل ہی نہیں ہوا جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ جج صاحب اصل موضوع سے ہٹ کر ادھر ادھر کی باتوں میں مشغول تھے اس لئے وہ بھی یکسو نہیں ہوئے، ورنہ۔ کوئی نہ کوئی فیصلہ ان کے اور دل کے درمیان آج ضرور ہو جاتا ـــ بہر نوع آج وہ ضرورت سے زیادہ خاموش تھے۔ کہ جج صاحب پھر اسی مرکز پر آ گئے۔ اور چونکہ ممبر کی جگہ پر مسٹر جون کا نام اس خیال سے پیش کر دیا کہ وہ بمبئی کے باثر اشخاص میں سے تھے۔ دوسرے ان کے دوست کے لڑکے بھی تھے۔

یہ بات میری کو ناگوار گزری۔ مگر، گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل، والی مثال تھی اس لئے خاموش رہی مگر اس کی نگاہیں سب کچھ کہہ گئیں جس کا اندازہ کسی کو نہیں ہوا اور مسٹر جون خلاف توقع اس موقع کے آجانے سے چند لمحوں کے لئے یہ بھی بھول گئے کہ ان کا دل کسی الجھن میں پھنسا ہوا تھا اور وہ کیا سوچتا رہے تھے۔

بہر نوع ان کی تاریک ہونے والی دنیا پھر ایک امید موہوم کے سہارے اسی طرح درخشاں ہو گئی۔ بلکہ اس بہانے میری کے ساتھ مل کر بیٹھنے کا رنگین تصور بھی ان کے دل میں انگڑائیاں لینے لگا وہ اسی خیال خام میں کھوئے ہوئے تھے کہ نگے صاحب نے کہا۔

میرے خیال میں تو ہمیں آج ہی ابھی ابھی چندے کا سلسلہ شروع کر دینا چاہیے۔"

جوہن نے فوراً کہا۔

جی ہاں۔ ضرور۔"

پیرنسپل صاحب نے لقمہ دیا۔

ایسی جلدی کیا ہے۔ پہلے ابتدائی کام مکمل ہو جائے پھر یہ سلسلہ اچھا معلوم ہوگا۔

نگے صاحب نے کہا۔

کام تو ہوتا رہے گا۔ ہم اس وقت کو پھر کی امید پہ ضائع کیوں"

جوہن نے کہا۔

جی ہاں۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔

نگے صاحب نے کہا۔

مجھے تمہارے خیال سے پورا پورا اتفاق ہے۔ اچھا تو بتاؤ۔ تم اس کار خیر پہ کیا صرف کر سکتے ہو۔؟

پہل بزرگوں سے ہو تو زیادہ اچھا ہے"

جج صاحب نے بات کاٹی۔
جی نہیں۔ بزرگ چندے کی فراہمی میں پہل کریں گے۔ تم اپنا خیال بتاؤ۔ پھر میں بھی چیک کاٹ دوں گا۔ اس کے بعد پرنسپل صاحب اور شمس صاحب کا نمبر ہے۔ ہاں تو جلدی بتائیے آپ کیا دے سکتے ہیں۔؟"
جولن نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔
آپ جو مناسب سمجھیں وہ مجھ سے لے لیں۔"
یہ خوشی کا سودا ہے زبردستی کا نہیں "
میں بھی خوشی سے کہہ رہا ہوں۔"
میں یہ کبھی ہرگز تسلیم نہیں کروں گا۔"
اچھا تو پھر مس بیری جو چاہیں مجھ سے لے لیں بلکہ یہ چیک بک موجود ہے چیک بھی خود ہی کاٹ دیں مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔
اپنا جملہ ختم کرتے ہی انہوں نے چیک بک نکال کر مس بیری کی طرف بڑھا دی تو میری نے بڑی عجیب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔
سوسائیٹی میں چندہ آپ کے نام سے جمع ہوگا۔
آپ اپنے نام سے بھی جمع کر سکتی ہیں۔
شکریہ! ابھی میرا اکاؤنٹ موجود ہے۔
آخر اس میں پریشانی کیا ہے؟
آپ کے نزدیک یہ معمولی بات ہوگی "
جی ہاں۔ میں تو اس کو بہت ہی معمولی مشغلہ سمجھ رہا ہوں۔

پرنسپل صاحب نے لقمہ دیا!
معاف کیجئے۔ مسٹر جون، آپ کو پس و پیش بھی کیوں ہے۔
جی بس یونہی۔ کہ وہ رقم شاید آپ کے شایانِ شان نہ ہو۔
جی نہیں۔ آپ جو بھی دے دیں گے۔ یہ انجمن آپ کی مشکور ہوگی دوسرے
یہ کارِ خیر ہے میرا۔ یا۔ جج صاحب کا ذاتی معاملہ نہیں ہے۔
اچھا تو پھر پچاس ہزار آپ میری طرف سے سمجھئے۔
تھینک یو۔
جج صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔
چیک دے دیجئے مسٹر۔ تاکہ سوسائٹی کی اوپننگ ہو؛
اور یہ سنتے ہی مسٹر جون نے پچاس ہزار کا چیک کاٹ کر جج صاحب کی طرف بڑھا دیا مگر چونکہ کیشیئر پرنسپل صاحب کو منتخب کیا گیا تھا اس لئے جج صاحب نے چیک ان کی طرف بڑھا دیا اور وہ جیب میں رکھتے ہوئے مسکرا کر بولے۔
اب آپ بتائیے، مس ہیری؛
جج صاحب نے لقمہ دیا۔
اُن کی طرف سے میں دوں گا۔
تو آپ ہی فرمائیے لیکن دونوں کے نام علیحدہ علیحدہ درج کئے جائیں گے
خیر وہ تو کوئی بات نہیں اچھا تو ایک لاکھ کا مجھ سے کیش لے لیجئے۔
" بہت خوب۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنے قیاس سے زیادہ کامیاب رہیں گے۔

کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ ہاں مسٹر شمس آپ فرمائیے۔ کیا دے سکتے ہیں
جج صاحب نے کہا۔ اور وہ کچھ دیر خاموش رہ کر اس طرح بولے۔
کیا عرض کروں بہت غریب آدمی ہوں۔ لیکن چونکہ یہ کار خیر ہے۔ اس لئے
میں بھی تھوڑی خدمت ضرور کروں گا۔
پرنسپل صاحب نے لقمہ دیا۔
یہ کوئی بات نہیں۔ آپ جو دے سکیں وہ دیدیں۔
شمس نے گردن جھکاتے ہوئے کہا،
کیا عرض کروں میں اس قابل نہیں کہ کسی کی مدد کرسکوں۔ بہر نوع
خدمت سمجھ کر۔
ہاں ہاں۔ بولئے۔ میری نے فوراً کہا۔
یعنی صرف دو لاکھ پیش کرسکوں گا۔
دو لاکھ ۔ سب کے منہ سے بے ساختہ نکلا سا اور مسٹر جون کا
تکبر ریت کے محل کی طرح ہوا کے ایک ہی جھونکے میں اڑ گیا۔ وہ یہ سوچ بھی
نہیں سکتے تھے کہ یہ بازی اس قدر اہم ہو جائے گی۔ اس لئے ان کا موڈ
بالکل آف ہو گیا۔ لیکن میری کی نگاہیں اس کی عظمت میں جھک گئیں
ان کا دل جون کی اس شکست فاش سے بیحد مسرور ہوا اور ساتھ ہی
شمس کے اس رویہ پر اس کو تعجب بھی ہوا۔
کیونکہ اس کی آنکھوں نے شمس کو ہمیشہ ایک سادہ لوح طالبعلم کے
روپ میں دیکھا تھا۔ جس کے ظاہری ٹھاٹ باٹ سے لیں یہی اندازہ کیا

جا سکتا تھا کہ وہ اگر بہت بڑا آدمی نہیں ہے تو۔ اس قدر مفلس بھی نہیں جس کے ذرائع آمدنی محدود ہوتے ہیں۔ بلکہ صرف ایک اوسط درجہ کا انسان نظر آتا تھا مگر آج کی اس فوقیت نے گذشتہ خیال کا شیشہ چور چور کر دیا۔

شمس کے اس رویہ پر سب ہی کو تعجب تھا۔ کیونکہ نہ تو اس کے پاس کار تھی اور نہ کوئی ایسی ملکیت ہی تھی جس کے سبب اس کی حقیقت پہلے سے سب پر واضح ہوتی۔

پرنسپل صاحب بھی عجب چکر میں مبتلا تھے۔ کہ آخر یہ کیا ہوا۔ اور کیوں ہوا؟

لیکن یہ وہ پھر بھی سمجھ چکے تھے۔ کہ یہ سب کچھ مسٹر جون کی وجہ سے ہوا۔ کیونکہ وہ اپنی فوقیت ظاہر کرنا چاہتے تھے۔

وقت کافی گذر چکا تھا اس لئے پرنسپل صاحب نے اجازت چاہی جن کے ساتھ شمس بھی اٹھ کھڑے ہوئے اس طرح دو دوسرے دن میری سے۔ کالج میں ملنے کا وعدہ کر کے وہ دونوں رخصت ہو گئے۔

تو میری بھی مسٹر جون اور اپنے ڈیڈی کو لان میں بیٹھا ہوا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔!

٭

دوسرے دن جب شمس کالج پہنچے تو معلوم ہوا کہ آج پرنسپل صاحب نے بنگال کے قحط زدہ افراد کی قحط زدہ حالت پر غور کرنے کے لئے ایک جلسہ کا پروگرام مرتب کیا ہے جس میں شہر کی ممتاز ہستیاں شرکت کریں گی اس لئے طلباء کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ چار بجے تک ضرور حاضر ہو جائیں تاکہ تمام کارروائی ان کے سامنے ہی کی جائے۔

شمس کو یہ تمام حالات فرید کی زبانی معلوم ہوئے جو ان کے بہت گہرے اور مخلص دوستوں میں سے تھے جب فرید سرسری طور پر اپنا جملہ ختم کر چکے تو شمس نے کہا۔!

غالباً اسی لئے کالج بند کر دیا گیا۔؟"

اور نہیں تو کیا جناب کی بارات آ رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ضمانت کو چار بجے جلسہ ہوگا تو اسی لئے چھٹی کی گئی ہے۔

شمس نے لقمہ دیا۔

خیر وہ تو میں سمجھ گیا۔ اب یہ بتاؤ۔ مس میری آئی ہیں یا نہیں؟

مس میری آئیں یا نہ آئیں آپ کو ان سے کیا تعلق؟"

پھر وہی حماقت ۔

لڑکیوں کے بارے میں حضور معلومات کریں اور سے کھری بات
کہنے والا احمق ہے۔

میں جو پوچھتا ہوں اس کا جواب دیجئے۔

کیا کہا آپ نے۔؟ ذرا پھر دہرائیے۔؟

عجیب بدتمیز ہو۔ نہ وقت دیکھو نہ موقع اور اپنی بڑ ہانکنے سے مطلب:

ہاں جی۔ اب تو دنیا بھر کی برائیاں اس ناچیز میں ہیں کیونکہ آپ کو
مس صاحبہ کی تلاش ہے۔ خیر تو لیجئے۔ وہ آ رہی ہیں۔

فریدہ نے میری کو آتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ اور شمس کی نگاہیں اس کو
آتا دیکھ کر مطمئن نظر آنے لگیں اس طرح چند لمحوں کی دوری کے بعد
وہ اس کے نزدیک آ گئی ہوئی بولی۔

ہیلو مسٹر شمس، کیا آج چھٹی کرا دی۔

یہ بیچارے کس قابل ہیں۔ دعا دیجئے بنگال کے قحط کو۔ اور
بعد میں اپنے۔ روڈ ماسٹر: یعنی ڈنلپ' اوہ سوری میرا مطلب
ہے پرنسپل صاحب کو۔

میری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

بہر نوع کسی کی وجہ سے سہی۔ لیکن آج کالج بند ہے۔

جی ہاں وہ تو میں آپ سے اور آپ سے۔ گو یا دونوں کی آمد
ہی سن چکا تھا۔ اور دیکھ بھی رہا ہوں۔

شمس نے لقمہ دیا۔

نالائق تو بہت دیکھے مگر تمہاری طرح شاید ہی کوئی دوسرا ہو۔

بندہ نوازی ہے۔ حضور کی۔ ورنہ میں کس قابل ہوں۔

فرید کا جملہ ختم ہوتے ہی میری ایک فلک شگاف قہقہے میں کھو گئی۔ اور جب ایک ہلکی سی مسکراہٹ شمس کے ہونٹوں پر کھیل کر معدوم ہو گئی تو پھر فرید نے کہا۔

اب حضور چڑیا مار کی طرح کھڑے کھڑے آسمان کب تک تکتے رہیں گے۔ چلنے کا ارادہ ہے تو چلئے ورنہ آپ جانیں اور آپ۔ بندہ تو رخصت ہوا۔

ٹھہرو۔ ابھی چلتے ہیں، ذرا پرنسپل صاحب سے کچھ بات کرنی ہے۔

یہ لیجئے۔ کجا راجہ بھوج اور کجا منوا تیلی ۔ کہاں آپ اور کہاں پرنسپل صاحب۔ لیکن رعب جھاڑنے کے لئے اس طرح کہہ دیا۔ جیسے وہ اور جناب ایک ساتھ گلی ڈنڈا کھیلا کرتے تھے۔

شمس نے کہا۔

یہ تو بکواس کرتے ہی رہیں گے۔ آپ چلئے۔

اور میری فوراً بولی۔

چلئے۔

فرید نے انہیں جاتے دیکھ کر کہا۔

اے محترم۔ کیوں کالج کو چھوڑ کر ہم سے دور ہونا چاہتے ہیں؟

شمس نے پلٹ کر کہا۔

کیا مطلب ؟"

مطلب یہ کہ۔ ایک تو پرنسپل صاحب ویسے ہی بات کم کرتے ہیں۔ اور تیور زیادہ دکھاتے ہیں۔ اوپر سے آج چلنے کے سلسلہ میں۔ تو میرا مقصد یہ ہے کہ اپنی بوٹیاں آپ کھا رہے ہونگے۔ اور اگر ایسی حالت میں تم ان کے سامنے چلے جائیں گے، تو مجھے یقین کامل ہے۔ کہ یہ کالج پھر ہمیشہ کے لئے تم سے چھوٹ جائے گا۔ اور جب تو نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے یہاں۔ میں۔ یعنی مجھے ناکردہ گناہ کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

میری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آپ۔

آپ اطمینان رکھئے۔ آج ایسی کوئی بات نہیں ہوگی۔

معلوم ہوتا ہے، آپ۔ اور آپ آج مشورہ کر کے آئے ہیں۔

جی نہیں میں تو ابھی آپ کے سامنے آئی ہوں۔"

تو پھر یہ پروگرام خواب میں طے کیا ہوگا۔

شمس نے مسکراتے ہوئے بات کاٹی۔

آخر اس میں بکواس کا مقصد کیا ہے ؟"

یہی کہ تم موت کے منہ میں نہ جاؤ۔

لیکن میں تم سے تھوڑے ہی کہہ رہا ہوں۔"

وہ بات وہی ہے۔ اگر تم یہ اس سے نکالے گئے تو مجھے خود بھی آشیاں کے ساتھ گلستان بھی چھوڑنا پڑے گا۔

میری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

نہیں مسٹر فرید۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ ہم دونوں اس جلد کے سلسلہ میں بات کرنے جا رہے ہیں۔ آپ کو اگر کسی قسم کا ڈر ہے تو ہمارا انتظار کیجئے، ابھی تھوڑی دیر میں آجائیں گے ورنہ آپ بھی ساتھ چلئے "

کیا کہا۔؟ آپ کے ساتھ چلوں۔؟ یہ کبھی نہیں ہو سکتا "

شمس نے کہا۔

اچھا تو پھر ہمارا انتظار کرو۔ ابھی دس پندرہ منٹ میں آجائیں گے۔

جو حکم عالی۔ لیکن میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ مگر جب تم نہیں مانتے تو خیر جاؤ۔ مگر اتنا یاد رکھو وہ آج بہت زیادہ مصروف ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو تم اندر لٹکے رہو۔ اور بندہ باہر لٹکا رہے۔

میں نے جاتے ہوئے کہا "

بس یہی کوئی آدھے گھنٹہ میں "

آدھے گھنٹہ میں۔ باپ رے باپ۔ یعنی پہلے دس پندرہ منٹ تھے اور اب آدھا گھنٹہ۔ گویا کم سے کم دو گھنٹہ میں۔ بھلا دو گھنٹہ خالی بیٹھ کر کیا کروں گا۔

شمس نے فقرہ چست کیا۔

مکھیاں مارنا۔ اور کیا کرو گے "

ایں۔ تو اس کا مقصد ہے تم مجھے بیوقوف بنا رہے ہو۔؟"

تم عقلمند ہی کب ہو "

یہ بات ہے، تو رہنے دو ہم بھی جاتے ہیں۔"

مجھے امید ہے۔ تم اکیلے کبھی نہیں جاؤ گے "

واہ یہ بھی کوئی بات ہے کہ شکاری شکار کھیلیں۔ اور ہم بلا وجہ انتظار دیکھتے رہیں۔
اگر میرے ساتھ رہے تو نہ معلوم کیا کیا دیکھنا پڑے۔
نہیں جناب۔ میں کچھ دیکھنے کے لئے تیار نہیں۔ آپ شوق سے ادھر
جائیے اور بندہ ادھر جاتا ہے،
یہ بات ہے تو جاؤ۔ دیکھا جائے گا۔
بس یہی بات مت کہا کرو۔
تو پھر ٹھہرو۔ ایک مزے دار بات آکر بتاؤں گا۔
میری نے لقمہ دیا۔
ٹھہر جائیے۔ پھر ساتھ چلیں گے۔
بہتر ہے۔ آپ کی وجہ سے رکا جاتا ہے۔ ورنہ ان حضرات سے مجھے بالکل
دلچسپی نہیں ہے۔
جی۔؟
جی ہاں۔ معاف کیجئے۔ میرا مطلب ہے یہ تو لوگ یونہی رعب دکھا کر اپنی
من مانی کرا لیتے ہیں۔
شمیم نے کہا۔
اچھا اب اپنی بکو اس میں میرا وقت خراب نہ کرو۔
تم سے بات ہی کون کرتا ہے۔
غالباً وہ تم ہی ہو۔
فرید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

لیجئے۔ وہ پرنسپل صاحب۔ دفتر میں پہنچ گئے۔ آپ جا سکتے ہیں
شمس نے کہا۔

کیا مطلب۔؟

مطلب یہ کہ اس وقت وہ دفتر میں نہیں تھے اس لئے میں نے آپکا وقت
اور آپ کی زحمت بچا دی۔ ورنہ یہ سیڑھیاں کئی بار طے کرنی پڑتیں۔ اچھا
اب جلدی جائیے۔ کہیں وہ پھر نہ رنگ جائیں۔

میری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

آپ تو بہت ہی دلچسپ واقع ہوئے ہیں۔

بندہ پروری ہے۔ جناب کی۔

شمس نے کہا۔

چلو میری۔ ان سے تو پھر بھی باتیں ہوتی رہیں گی۔

فریدہ نے پھر کہا۔

جی ہاں۔ پہلے آپ ان سے ملاقات کر لیجئے۔ نہیں تو پھر کہیں دو چار گھنٹہ
کے لئے کہیں غائب ہو جائیں گے۔

میری نے فوراً کہا۔

جی ہاں چلئے۔ مسٹر شمس۔

دونوں پرنسپل صاحب کے کمرے کی طرف چل دیے۔

٭

حسبِ توقع پرنسپل صاحب جلسے کی تیاری میں مصروف تھے جس کی ترجمانی ان کی گرج دار آواز کر رہی تھی۔ اور ساتھ ہی کالج کے چپراسی و دیگر متعلقہ عملہ مشین کے پرزوں کی طرح حرکت کر رہا تھا مگر وہ حسبِ عادت ایک وقت میں چار چار کاموں کا حکم اس طرح صادر کر رہے تھے۔ جیسے ریڈیو کا اسپیکر۔ مقرر کی زبان سے نکلنے والے الفاظ کے ساتھ ایک ہی وقت میں ہزاروں جگہ اس تقریر کو نشر کر رہا ہو۔ جس پر کسی اہم معاملہ دارومدار ہو۔ اور صرف سنانے کے لئے الفاظ کا خزانہ بکھیر اجا رہا ہو۔

حالانکہ کسی کام کے کرنے اور حکم دینے میں زمین و آسمان کا فرق ہے کام کرنے سے ہوتا ہے۔ اور الفاظ زبان سے ادا کئے جاتے ہیں۔ لیکن وہ اس خیال سے مطلق مبرا تھے۔ بس زبان گردش کر رہی تھی۔ اور چاروں طرف زبردست قسم کا زلزلہ آیا ہوا تھا۔ سامان کے اٹھانے اور رکھنے کی کرخت

آوازیں۔ بے ہنگم دھماکے۔ اور انسانی شور پوری عمارت میں زبردست مصیبت کا نمونہ بنا ہوا تھا۔

اور پرنسپل صاحب بدستور اپنے ذہن کا بوجھ ہلکا کر رہے تھے کہ میری اور شمس اندر داخل ہوتے ہوئے بولے۔

کیا ہم دونوں اندر آسکتے ہیں۔؟"

یس۔ یس۔ بڑی دیر کردی اس وقت تک کہاں تھے۔

شمس نے فوراً کہا۔

کیا عرض کروں۔ رات نہ جانے کیوں نیند نہیں آئی۔ البتہ صبح آنکھ لگ گئی اس لئے دیر ہو گئی۔

انہوں نے کہا۔

اور آپ۔؟ مس میری۔ آپ کو تو آجانا چاہیئے تھا۔"

میری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

یہی اتفاق قریب قریب میرے ساتھ بھی ہوا۔

پرنسپل صاحب نے فوراً کہا۔

" اس قدر یگانگی۔ تعجب ہے۔ مزاج، خیالات اور زندگی کا رکھ رکھاؤ تو ایک دوسرے سے مناسبت رکھتا ہے لیکن راتوں کو نیند کا نہ آنا کم از کم میرے لئے باعث حیرت ضرور ہے۔ اگر یہی حالت رہی تو میں سمجھتا ہوں آپ دونوں ایک دوسرے سے ہمیشہ قریب رہیں گے۔

یہ سن کر میری شرما گئی اور شمس نے چونک کر لقمہ دیا۔
وہ ہم خیالوں میں یگانگی ہونا۔ قدرتی بات ہے جس میں آپ بھی ہمارے
برابر کے شریک ہیں؟
یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ یہ اتفاقات بھی کتنے عجیب ہیں؟
جی ہاں، تعجب تو مجھے بھی ہے۔
خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ بتاؤ۔ جلسہ کا سلسلہ ٹھیک رہے گا نا۔؟
جی ہاں۔ بالکل مناسب ہے؟
ہاں یہی میں بھی کافی رات تک سوچتا رہا کہ اب تمہید کے طور پر کیا صورت
عمل میں لائی جائے! آخر کافی غور و خوض کے بعد یہ سوچا کہ جلسہ میں تمام طلبا اور
طالبات کے ساتھ دیگر معزز ہستیاں بھی شریک ہو جائیں گی اس طرح ایک تیر
سے دو نشانے ایک ہی وقت میں ہو جائیں گے۔
شمس نے کہا۔
آپ نے جو کچھ کیا وہ مناسب ہے۔
بس تو پھر شام کو چار بجے تیار ہو کر آجایئے تاکہ جلسہ کی کارروائی آپ کے
سامنے ہو۔ دوسرے آپ کو اپنے خیالات بھی ظاہر کرنے پڑیں گے اس لئے
آپ دونوں ایک ایک تقریر ضرور لکھ لیں۔ اور اپنے اپنے مضمون مرتب
کر کے مجھے دکھا بھی دیجئے۔
میری نے کہا۔
لکھنے کی ایسی کیا ضرورت ہے۔

آپ ویسے تقریر کر سکیں گے گی۔

امید تو ہے۔

سوچ لیجئے۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ بعد میں ندامت اٹھانی پڑے۔

اطمینان رکھیئے۔ میری جانب سے کوئی ایسی بات نہیں ہو گی، جس سے آپ کو۔ یا اس کالج کو ٹھیس پہنچے۔

بس تو پھر مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے ؟ بلکہ یہ تو اور قابل فخر بات ہے کہ ہمارے یہاں کے طلبار اس قدر حاوی ہیں کہ بغیر لکھے اپنے خیالات کا اظہار کر سکتے ہیں۔

شکریہ !

اچھا مسٹر شمس ! آپ کا کیا خیال ہے۔ ؟

اس بارے میں ؟"

یہی کہ آپ تقریر لکھ کر کریں گے یا مس میری کی طرح نا"

میرے خیال میں یہی بہتر ہے۔ کیونکہ تقریر لکھ لینے کے بعد زبان مقیّد ہو جاتی ہے ؟ اور اس طرح آزادی سے جو چاہیں کہہ سکتے ہیں۔

اچھی بات ہے۔ تو جائیے۔ لیکن چار بجے سے پہلے آجانا تو بہتر ہے ؟

اور ہاں۔ مس میری۔ آپ اپنے ڈیڈی سے کہہ دیجئے۔ کہ آج ضرور شرکت کریں ؟ اور جن کو مناسب سمجھیں ساتھ لے آئیں۔ اور ہاں۔ رحیم بخش۔ رحیم بخش۔

انہوں نے چپراسی کو آواز دی۔ اور جب وہ بیچارہ بھاگتا ہوا ان کے سامنے آگیا تو بولے۔

"دیکھو۔ وہ کارڈ چھپ کر آئے یا نہیں؟"

"بہت اچھا"

"اگر آگئے ہوں تو یہاں لے آؤ"

"بہت خوب"

"اور ہاں سنو۔ اگر نہیں آئے ہوں تو کسی کو بھیج کر منگا لو"

"بہت اچھا"

"لیکن ٹھیرو۔ اچھا خیر جاؤ۔ ذرا جلدی معلوم کرو۔ بہت جلدی نہیں تو پھر میں کسی اور کو بھیجوں۔ سمجھ گئے۔"

"جی ہاں۔ ابھی حاضر ہوا"

چپراسی اپنا جملہ ختم کرکے چلا گیا۔ اور چند لمحے بعد کارڈ کا ایک پیکیٹ اٹھائے ہوئے اندر داخل ہوا تو پرنسپل صاحب پھر بولے۔

"لے آئے۔؟"

"جی ہاں۔"

"اچھا اس میں سے۔ سو ایک جگہ گن کر مس صاحبہ کو دے دو۔ اور سو مسٹر شمس کو۔"

"کیوں مس نیّری۔ کافی رہیں گے؟؟"

"جی ہاں"

اگر اور مناسب سمجھیں تو دے دیجیے۔ اور ہاں مسٹر جون کو ضرور بتا دیجئے۔ کہ ان کا آنا بھی ضروری ہے۔"

میں ڈیڈی سے کہہ دوں گی۔ وہ مطلع کر دیں گے۔"

ہاں۔ مسٹر شمس۔"

یس سر۔"

آپ کو تو اور کارڈوں کی ضرورت نہیں ہے؟"

جی نہیں بہت کافی ہیں۔"

اچھا تو پھر دیر مت کیجئے۔ ابھی آپ کو اپنی تقریر کے موضوع پر بھی غور کرنا ہے۔"

مبر جی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

گھر جانے کی ایسی جلدی نہیں ہے۔ اگر کوئی کام ہمارے لائق ہو تو فرمائیے۔

تو تھینک یو۔ میں نے سب ٹھیک کر لیا ہے۔ بس اب آپ شام کو چار بجے تک آجائیں۔"

اچھا گڈ مارننگ۔"

وہ دونوں نے کہا گڈ اور ان کے کمرے سے باہر نکل آئے۔

٭

فرید کو شمس اور میری کا انتظار کرتے کرتے ایک گھنٹہ گزر چکا تھا اس لئے وہ لان میں بیٹھے بیٹھے ٹہل کر ٹہلنے لگے۔ مگر نگاہیں بار بار پرنسپل صاحب کے کمرے اور زینہ کی طرف متوجہ ہو رہی تھی۔ ان کا دل شمس کے اتنی دیر کرنے پر بار بار پریشان ہو رہا تھا۔

کیونکہ وہ کالج کے بہت ہی ہنس مکھ اور شریر لڑکوں میں سے تھے اس لئے اکثر اوقات ان کی شکایتیں پرنسپل صاحب تک پہنچتی رہتی تھیں اور وہ برابر ان کو زبانی ہدایت بھی کرتے رہا کرتے تھے جس کی وجہ سے ان کا دل ان کے سامنے جاتے ہوئے گھبراتا تھا مگر کر بھی کیا سکتے تھے اگر کوئی دوسرا کالج ہوتا تو وہ یقیناً اب تک نکالے بھی جا چکے ہوتے لیکن اس کالج سے نکلنا اس لئے دشوار تھا کہ پرنسپل صاحب ان کے والد کے دوست تھے اور ان کی ہر بات کی اطلاع دیتے رہا کرتے تھے۔ اس طرح دونوں طرف ان کو سختی اٹھانی پڑتی تھی۔

مگر چونکہ عادت سے مجبور تھا اس لئے بغیر شرارت کئے ان کو روٹی ہضم نہیں ہوتی تھی حالانکہ شمس نے بھی متعدد بار سمجھایا تھا۔ لیکن یہ کبھی باز نہیں آئے اور جب زیادہ بار پڑا کا تو کہہ دیا میں تمہاری طرح رونی صورت نہیں ہوں۔ جو ہر وقت منہ لٹکائے بیٹھا رہوں

بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ ہر وقت خاموش بیٹھے رہیں جبکہ ہم یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ سوچنے سے انرجی برباد ہوتی ہے تو کیا ضرورت ہے کہ ذہن کو تھکا کر اپنی زندگی کو نصف کر لیا جائے۔

یہ اصول اُن کی نس نس میں لبا ہوا تھا جب تک کالج میں رہتے تھے طرح طرح سے لڑکوں کو پریشان کر کے قہقہے لگاتے۔ اور پروفیسروں کو اس طرح تنگ کرتا تھا کہ بات بات پر قہقہوں کی بھرمار ہو جاتی تھی۔ سیکنڈ سیکنڈ پر نئے نئے فقرے چست کرنا ان کا معمول بن گیا تھا۔ اس لئے اکثر پروفیسر صاحبان ان کو کلاس سے باہر چلے جانے کو کہہ دیا کرتے تھے، تو وہ سڑک پر گذرنے والوں کو جس طرح ان کا دل چاہتا تنگ کرتے رہتے۔

اس دوران میں اگر پرنسپل صاحب کو ان کی حرکتوں کا علم ہو جاتا تو وہ بجائے چپراسی بھیج کر بلانے کے خود ہی زحمت گوارہ کرتے۔ اور ان کو آفس میں لیجا کر خوب ڈانٹتے۔ اس کے بعد گھر پر اس کے والد کو اطلاع دیتے۔ نتیجہ کے طور پر والد کا ہر آنے والا خط مختلف قسم کی ہدایات سے بھرا ہوا کرتا تھا۔ جس میں متعدد دھمکیاں بھی ہوتیں۔

اس خط کو پڑھ کر اُن کا دل چاہتا کہ جس طرح بھی ہو اس کالج کو چھوڑ کر چلا جاؤں۔ لیکن صرف اس ڈر سے کہ اگر میں نے یہ حرکت کی تو وہ اخراجات جو ملتے ہیں بند ہو جائیں گے جس کے بعد تعلیم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جب تعلیم ختم ہو جائے گی تو کالج کی سی آزادی کبھی میسر نہیں آسکتی اس لئے ہر وہ بات برداشت کر رہا تھا۔ حسن جو ان کے ضمیر کے خلاف تھی۔ اس کے علاوہ

ان کو شمس سے بےحد عقیدت تھی۔ کیونکہ دونوں بچپن سے اس وقت تک ایک دوسرے کے ساتھ رہے پلے بڑھے اور جوان ہوئے۔

جس طرح ان کو شمس سے محبت تھی اسی طرح وہ بھی ان کو اپنا بہترین دوست تصور کرتے تھے ورنہ کالج کے اور کسی لڑکے کی یہ مجال نہیں تھی کہ وہ شمس سے مذاق کر لیتا یا ان پر کوئی فقرہ چست کر سکتا۔

شمس اور فرید کی اس وقت دوستی کا سبب شمس کا خلوص اور ان کا کردار تھا۔ دوسرے شمس کے والد اور فرید کے والد بھی آپس میں گہرے دوست تھے اور چونکہ فرید کچھ ضرورت سے زیادہ شوخ مزاج واقع ہوئے تھے اس لئے ان کے والد نے یہی مناسب سمجھا کہ بمبئی بھیج دیں جس کی ایک وجہ یہ تھی کہ شمس بمبئی میں پڑھتے تھے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ پرنسپل صاحب اور فرید کے والد میں بہت گہرے تعلقات تھے ورنہ دو سال تو کیا دو مہینہ بھی ایک جگہ رہ کر نہیں پڑھ سکتے اور جب سے یہاں آئے تھے اچھے نمبروں سے پاس ہو رہے تھے۔

جس کے نتیجہ میں سپرنٹنڈنٹ صاحب نے۔ فرید کو پرنسپل صاحب اور شمس کے ایمان پر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن پرنسپل صاحب اس حقیقت سے ناآشنا تھے کیونکہ فرید کے والد اور ان کی دوستی کا سلسلہ کانپور میں اس وقت سے ہوا تھا جب وہ میٹرک میں پڑھتے تھے اور شمس کے والد سے ان کی ملاقات بعد میں ہوئی تھی۔

شمس کے والد ضلع ایٹہ کے بہت بڑے جاگیردار تھے جن کی لاکھوں روپے کی سالانہ آمدنی صرف تماشبینی اور سیر و شکار میں خرچ ہوا کرتی تھی ان کا مزاج

بہت چڑچڑا اور خود پسند تھا۔ وہ اپنی ضد کے مقابلے میں دنیا کی بڑی
سے بڑی شئے کو برباد کرنے کے عادی ہو چکے تھے ان کا دل ظلم کر کے خوش ہوا
کرتا اور جس دن وہ کسی کو اپنے ستم کا نشانہ نہیں بنا لیتے ان کا دل اداس رہتا تھا۔

انہی اصولوں سے تنگ آ کر شمس نے بمبئی میں اپنی تعلیمی زندگی گذارنا پسند
کی۔ ورنہ قرب و جوار میں بھی کوئی انتظام ہو جاتا۔ لیکن شمس کو نہ جانے کیوں
اس زمین سے نفرت تھی ان کا دل اس جاگیر سے دور رہنا چاہتا تھا۔ ان کا
ذہن اس دولت سے گذر کرتا تھا جو اس کے والد غریب کسانوں کا خون چوس
کر۔ بے لبوں کا حق کاٹ کر مہیا کیا کرتے تھے۔

حالانکہ شمس کے والد کو ان کا دور رہنا کبھی کبھی بار گذرتا۔ لیکن ساتھ
ہی ان کی عیاشی۔ ان کی محبت پدری کا گلا دبا دیا کرتی ہے اور وہ ان کو اپنے
پاس رکھنے سے زیادہ یہی غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ ان سے دور رہ کر ان کے
حالات سے ناواقف رہیں تو اچھا ہے۔ مگر شمس کو ہر قسم کا علم تھا اس لئے کبھی
وہ دو چار سال کے بعد اپنے وطن جاتے اور مشکل سے چند دن گذار کر پھر
بمبئی واپس چلے آتے۔

زیادہ دن رہنے کا سوال اس لئے پیدا نہیں ہوتا تھا کہ ان کی والدہ
بچپن کے اس دور میں ان سے ہمیشہ کے لئے دور ہو گئی تھیں جب وہ کسی
کی حقیقت سے واقف نہیں تھے۔ اور ماں کا سایہ اٹھ جانے کے بعد جب
انہوں نے ہوش سنبھالا تو ان کے والد نے اپنی رسوائی کے خوف سے ان کو
لکھنؤ بھیج دیا۔ اس کے بعد وہ بمبئی خود چلے آئے۔ اور اپنے مستقبل کو

حلال کی روزی سے وابستہ کرنے کے لئے تعلیمی معیار کو بلند کرنا شروع کر دیا۔ جس کے اخراجات پورے کرنے کے لئے ان کے والد دو ہزار روپیہ ماہانہ بھیج دیا کرتے۔

ان تمام حالات سے سوائے فریدی کے اور کوئی بھی واقف نہیں تھا کہ شمس کیا ہیں۔ اور کس جگہ کے رہنے والے ہیں۔ یا ان کے والد کون تھے یہ کوئی بھی نہیں جانتا تھا اور نہ ان کے ظاہری ٹھاٹ باٹ ہی کچھ اس قسم کے تھے جس سے کوئی اجنبی یہ اندازہ کر سکتا کہ یہ ایک کروڑ پتی جاگیر دار کے لڑکے ہیں۔ ہاں اگر کوئی جانتا تھا تو وہ تھے فریدی۔ لیکن ان کے خیالات میں ابھی تک لڑکپن کی جھلک پائی جاتی تھی۔ اس لئے وہ سوائے ہنسی مذاق کے اور کسی معاملہ پر کبھی غور ہی نہیں کرتے تھے۔

بلکہ اس وقت بھی ان کا دل آدھے گھنٹہ کی مسلسل خاموشی کے سبب انہیں مجبور کر رہا تھا کہ اگر اور کوئی نہیں ہے تو ایک اینٹ اٹھا کر پرنسپل صاحب کے کمرے سے مار دیں۔ تاکہ آکر وہ دو چار باتیں کر لیں گو ان کے پاس ان کی تقریر نما پھٹکار کا کوئی جواب نہیں ہو گا۔ لیکن بیچارے عادت سے مجبور تھے وہ برابر اپنے دل میں طرح طرح کے پلان مرتب کر رہے تھے۔

اور میرٹی سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے تو ان کا دماغ مطمئن ہوا۔

اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ فرما کہتے انہوں نے فرمایا۔

میں تو سمجھا تھا کہ آج آپ دونوں ہمیشہ کے لئے چلے گئے۔

شمس نے فوراً کہا۔

ہمیں زیادہ دیر تو نہیں ہوئی۔
جی نہیں صرف ایک گھنٹہ میں واپس آئے ہیں۔ اور مجھے تو یہ تعجب ہے کہ آپ دونوں اس ببو کے ببر کے سامنے ایک گھنٹہ تک کیسے بیٹھے رہے۔ یقین جانو۔ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا۔ تو آج چار بھائی ہی اٹھا کر لاتے۔
میری نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"آپ ان سے اس قدر ڈرتے ہیں۔؟"
"جی نہیں، میں بالکل نہیں ڈرتا۔ بلکہ صرف خوف کھاتا ہوں۔ اور وہ بھی اپنے قبلہ والد محترم سے۔ ورنہ ان کو تو۔ بس، کیا کہوں، اگر کبھی سوتے میں تصور ہو جائے تو آنکھ کھل جاتی ہے۔
شمس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
اچھا بس اب چلتے ہو۔ یا بلاؤں پرنسپل صاحب کو؟
"پھر وہی۔ میں کہتا ہوں۔ موت کا نام لے لیا کرو، مگر اس بلائے بے درماں کا نام نہ لیا کرو۔ نہیں تو میرا ہارٹ فیل ہو جائے گا"
میری نے ہنستے ہوئے کہا۔
آپ تو بہت ہی زندہ دل ہیں۔
تب ہی تو یہ عذاب مجھ پر نازل ہوتا رہتا ہے؟
کون عذاب؟" میری نے پوچھا۔
شمس نے کہا۔
وہی پرنسپل صاحب؟

دیکھو مسٹر تم تو مذاق کر رہے ہو۔ اور میری روح کھینچ رہا ہے۔ اگر دم نکل گیا تو خون کا دعویٰ کر دوں گا۔

میری نے لقمہ دیا۔

" آپ گھبرایئے نہیں۔ میں آج شام کو پرنسپل صاحب سے آپ کا قصور معاف کرا دوں گی۔

" خدا کے لئے ایسا غذب غضب کبھی نہ کرنا"

کیوں۔؟

اوہو۔ آپ نہیں جانتی ہیں۔ میرا نام ان کے غصہ کا مین سوئچ ہے سنتے ہی جلینیٹ انجن کی طرح۔ رنگ برنگ کی آوازیں نکالنے لگتے ہیں۔"

میرے پرنسپل کی یہ توہین میں کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔

فرید نے لقمہ دیا۔

تم ان کی توہین برداشت نہیں کر سکتے، تو میں ان کا کہنا نہیں سن سکتا۔"

وہ تمہارے استاد ہیں۔

جی نہیں۔ مجھ پر نازل کیا ہوا اللہ کا عذاب ہیں۔

اچھا اب چلتے ہو۔ یا یہیں کھڑے مقدر کو روتے رہوگے۔

یہ رونا تو نہ معلوم کب تک ہے۔ لیکن خیر کوئی بات نہیں۔ اللہ میاں کے گھر جا کر خوب گن گن کر بدلے لوں گا۔

اوف خدا۔ تمہیں روک کر تو میں مصیبت میں پھنس گیا۔

یہی تو میں سوچتا ہوں کہ نہ معلوم کس مصیبت میں پھنس گیا۔

تم روتے رہو۔ ہم تو چلتے ہیں :
کیا واقعی چل رہے ہو۔ ؟"
جی نہیں جناب کی صورت دیکھتا رہوں گا۔
میری صورت ؟ بھلا میری صورت میں کیا خصوصیت ہے۔ ؟"
کیوں مس صاحبہ ؟"
فریدے نے میری پہ فقرہ چست کیا۔ اور وہ اپنی فطری حیا پہ قابو پاتے ہوئے بولی۔
دیکھئے اگر پرنسپل صاحب آگئے تو ؟ وہ کچھ اور بھی کہتی کہ فریدے نے لقمہ دیا۔
ایں یہ اچھا یاد دلا دیا۔ بس جلدی سے چل دو۔ ورنہ میری شامت آجائے گی۔
شمس نے کہا۔
ابھی ایسی کیا جلدی ہے ؟
میں کہتا ہوں بس پھوٹ لو :
کیوں۔ آخر اتنی دیر سے ہم جو کہہ رہے تھے تو کوئی بات نہیں تھی۔
اوہو۔ تم سمجھے نہیں ہو :
تو پھر سمجھا دو۔ راستے میں بتاتا چلوں گا۔ پہلے یہاں سے تو سرکو۔
اور میری شمس سے مخاطب ہوئی۔ جی ہاں اب چلئے دیر ہو رہی ہے۔
دونوں میری کے ساتھ روانہ ہو گئے۔ کیونکہ دس بج رہے تھے۔

⁘

ابھی چار بجنے میں کافی دیر تھی مگر کالج کی چہار دیواری میں طلبا۔ طالبات اور مہمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد آچکی تھی۔ مزید آمد کا سلسلہ بھی جاری ہی تھا کہ جج صاحب میرتی اور مسٹر جون کے ہمراہ آگئے۔ جن کا پرنسپل صاحب نے بہت پرتپاک خیر مقدم کیا۔ اور ان کے ساتھ خود بھی آکر پنڈال میں بیٹھ گئے۔ جس کے تھوڑی ہی دیر بعد شمسی اور فرید بھی آگئے۔

مگر چونکہ پرنسپل صاحب زیادہ مصروف تھے اس لئے کوئی بات نہیں کی اور چند لمحے بعد ہی دوسرے مہمانوں کا استقبال کرنے کے لئے وہاں سے اٹھ گئے تو فرید ایک لمبی سانس فضا میں بکھیرتے ہوئے بولے۔

"خدا کا شکر ہے جو آج یہ میری صورت دیکھ کر نہیں ڈرے"

میرتی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ پرنسپل صاحب سے ڈرتے ہیں۔ یا وہ آپ سے"

"میں تو سوائے خدا کے کسی سے نہیں ڈرتا۔ البتہ یہ مجھے دیکھ کر اس طرح بھڑک جاتے ہیں ــــ جیسے ــــ دیہاتی جانور کھلی ہوئی چھتری کو دیکھ کر

اپنے مالک سے تیور بدل لیتا ہے۔
شمس نے لقمہ دیا۔
یہ کیا بکواس ہے۔ وقت وقت کا مذاق اچھا لگتا ہے۔
میں نے تو سوال کا جواب دیا ہے۔ کوئی بری بات تھوڑی کہی۔
آپ برائے مہربانی خاموش رہیے۔
کیوں؟ کیا یہاں بات کرنے کی ممانعت ہے۔
جی ہاں — یہ ہی سمجھ لیجئے۔

لیکن شاید آپ یہ بات نہیں جانتے کہ جہاں لکھا ہوا ہو "نو پارکنگ" وہاں گاڑیاں ضرور کھڑی کی جاتی ہیں — جہاں تحریر ہو "نو اسموکنگ" وہاں اکثر حضرات سگریٹ پیتے نظر آئیں گے۔ جہاں پر یہ الفاظ لکھے ہوں یہاں اشتہار لگانا منع ہے۔ وہاں سیکڑوں تو کیا ہزاروں کی تعداد میں اشتہار پہ اشتہار چسپاں ملیں گے اس لئے اگر یہاں بات کرنا منع ہے تو میں یقینی طور پر بات کروں گا۔ آپ مجھے نہیں روک سکتے۔

وہ کچھ اور بھی فرماتے کہ پرنسپل صاحب آ گئے۔۔ اور اُن کی بے تکی تقریر کا گلا دب گیا۔ جس پہ میری اور جج صاحب کو بہت ہنسی آئی، مگر بآواز بلند ہنسنا آداب محفل کے خلاف تھا اس لئے ضبط سے کام لیا۔ اور پرنسپل صاحب نے آتے ہی جلسہ کی کاروائی شروع کرنے کے لئے کہا۔ کیونکہ چار بج رہے تھے۔ جج صاحب اور دیگر مہمانوں نے بھی ان کی تائید کی تو وہ مائک کے قریب پہنچ کر بولے۔

محترم حاضرین جلسہ : اور پیارے بچو ! اب میں عالی جناب جج صاحب سے التماس کروں گا کہ وہ اس جلسہ کی صدارت فرمائیں ۔

ان کا جملہ ختم ہوتے ہی جج صاحب مسکراتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھے اور سارا پنڈال تالیوں سے گونج اٹھا تو جج صاحب شکریہ ادا کرتے ہوئے کرسی صدارت پر رونق افروز ہو گئے ۔

پرنسپل صاحب نے کہا ۔

میں عالی حضرت جج صاحب کا بہت بہت مشکور ہوں کہ انہوں نے اس جلسہ کی صدارت منظور فرما کر کالج کے طلبار کی ہمت افزائی کی اور اب جناب صدر کی اجازت سے اس جلسہ کے بنیادی مقاصد کے بارے میں آپ حضرات سے کچھ عرض کروں گا ۔

وہ چند لمحے کے لئے رکتے ہوئے اس طرح گویا ہوئے :

• جیسا کہ آپ سب لوگوں کو معلوم ہے کہ آج کل بنگال کا قحط ـــ وہ خطرناک صورت اختیار کر چکا ہے جس کا تدارک حکومت اتنے زبردست بار کو یکلخت اپنے کاندھوں سے کبھی نہیں اتار سکتی جب تک کہ ملک کا اور قوم کے سرمایہ دار سرپرستی نہ کریں ۔ اس وقت تک اس عظیم حادثہ کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا ۔ یہ ایک عام فہم بات ہے جس کے لئے میرے پاس دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ آمدنی سے زیادہ اخراجات کبھی برداشت نہیں کئے جا سکتے۔ یہی سبب ہے کہ ہماری حکومت بھی ان بے کس اور بے بس انسانوں کے ساتھ فوری طور پر کوئی ایسی بات امداد نہیں کر سکتی جس کے ذریعہ ان کی زندگی کا تمام

ضروریات پوری بھی کر دی جائیں تو اور مسائل جو اس سے بھی زیادہ اہم ہیں وہ ادھورے رہ جائیں گے اور جو اگر وہ کام پایہ تکمیل کو نہیں پہونچ سکے ، تو ہماری سلامتی کو خطرہ پیدا ہونیکا اندیشہ ہے ۔

مثال کے طور پہ اگر دفاعی کاموں پر اخراجات نہیں کئے جائیں تو ملکی استحکام پر اس کا زبردست اثر پڑ سکتا ہے ۔ جس کو ہم آئندہ کسی سالوں تک پورا نہیں کر سکیں گے ۔ جو صرف ہمارے لئے ہی نقصان دہ ثابت ہوگا ۔ اسی طرح اور بہت سے معاملات ہیں جن کا مقابلہ صرف روپیہ کے بل پر ہی کیا جا سکتا ہے ۔ لیکن اپنی کل پونجی بھی نہیں لٹائی جا سکتی ورنہ دیگر کاموں میں جو ہماری ہر روز کی زندگی کے اخراجات سے متعلق ہیں تعطل پیدا ہو جائے گا جس کو کبھی اور کسی حالت میں برداشت نہیں کیا جا سکتا ۔

لیکن یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے ملک کے ایک صوبے کے بگڑے ہوئے حالات کو استوار کرنے کے لئے اپنی ضروریات پر صرف ہونے والی رقم سے حسب حیثیت بطور امداد دے کر ان مظلوم انسانوں کی زندگی بچا سکتے ہیں جو بے وقتی موت کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں اس دار فانی سے رخصت بھی ہو چکے ہیں ۔

اگر اپنی دولت سے ہم ان کی زندگی خرید کر آخرت کا یہ سودا دنیا میں کر لیں تو بہت سستا ہے ورنہ اس خود پرستی کا ایک نہ ایک دن جواب دینا پڑے گا اور چاندی کے یہ ٹکڑے ہمارا ساتھ نہیں دے سکیں گے نوٹوں کے ڈھیر ہمارے اس رویہ کا کوئی جواب نہیں دے سکیں گے جس کو ہم باوجود صاحب

ثروت ہونے کے ایک ایسے خرچ میں لانے سے گریز کریں جس پر انسانیت کا دارومدار قائم ہے۔ جس کی آڑ میں ہمارا خلوص پنہاں ہے ہماری لعاداری چھپی ہوئی ہے۔

یاد رکھئے کہ اگر آج ہم اس میدان میں نہیں اتر سکے تو کل آنے والی نسلیں ہماری مطلب پرستی کی وجہ سے کبھی سر نہیں اٹھا سکیں گی جیسے اگر آج بھی ہم گزشتہ تاریخ کے چند سیاہ اوراق کو پڑھتے ہوئے۔ اتنی ذلت محسوس کرتے ہیں۔ لیکن اب کوئی ایسا جواز نہیں ہے جس کے بل پر وہ کارنامے جو ملک اور قوم کی پیشانی پر سیاہ داغ بن کر چسپاں ہو گئے ہیں ان کو مٹایا جا سکتا۔ ایسے ہی ہماری نسلیں ہماری کج روی کا کوئی جواز اور تدارک پیش نہیں کر سکیں گی۔

اس لئے میں حاضرین جلسہ سے التماس کروں گا کہ وہ اس وقت کے آنے سے پہلے جب دنیا ہم کو ملک اور قوم کا دشمن کہے۔ انسانیت کا ڈاکو سمجھے ہم اس قومی خدمت کے زبردست بار کو اپنے کاندھوں پر اس طرح اٹھا لیں کہ ہمارے اخلاق اور معیار کی شہادت تاریخ کا ایک ایک جملہ دیتا رہے یہی ہماری کامیابی ہے یہی ہمارے ملاپ کا ٹھوس ثبوت ہے اس لئے مجھے قوی امید ہے کہ آپ اس امدادی اسکیم کو کامیاب بنانے میں ہر طرح ان حضرات کا ہاتھ بٹائیں گے جو اس اسکیم کو چلانے میں دوش بدوش ہیں اور رہیں گے۔

جیسے کہ ہمارے صدر عالی مرتبہ۔ جناب منیجر صاحب اور محترم مسٹر جون۔ اور اس کالج کی طالبہ مس میری کے علاوہ مسٹر شمس کے نام قابل ذکر ہیں۔

کیونکہ اس اسکیم کے بانی مبانی مسٹر شمس اور مس میری ہیں اس لئے میں دعا کرتا ہوں اور آپ بھی دعا کیجیے کہ یہ دونوں ہونہار طلباء اپنے مقصد میں بخیر و خوبی کامیاب ہوں تاکہ ہمارا سر ہمیشہ بلند رہ سکے۔

اُن کے الفاظ کا تسلسل ختم ہوتے ہی تالیوں کا شور گونج اٹھا۔ طلباء اور طالبات کے چہرے خوشی سے مسرور نظر آنے لگے۔ فرید میاں نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کھڑے ہو کر زندہ باد کے نعروں سے فضا کو اور زیادہ پر مسرت بنا دیا ـــ ان کا جوش اور ولولہ اپنے عزیز دوست کی کامیابی پر اس درجہ بڑھا ہوا تھا، کہ بہ وقت تمام پرنسپل صاحب نے اس ولولہ انگیز فضا پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

میری تقریر ختم ہو چکی ہے اس لئے اجازت چاہتے ہوئے مس میری سے کہوں گا کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار اس موقع پر ضرور کریں۔ کیونکہ یہ اسکیم ان کی ہی محنت کا ثمرہ بن رہی ہے۔ خدا کرے کہ وہ سرخ رو ہوں۔

پرنسپل صاحب مائک سے ہٹ گئے۔ تو ایک بار پھر تالیاں فضا میں پھوٹ پڑیں۔ اور جب میری سب کے سامنے آکر کھڑی ہوئی تو کبھی نہ ختم ہونے والی خوشی سے مدہوش ہو کر طلباء اور طالبات کے ۔ اقد تمام مہمانوں نے اُن کی ہمت افزائی کی اور اس نے اپنی سحر انگیز آواز سے الفاظ کے موتی بکھیرنا شروع کئے۔

" معزز حضرات ! جیسا کہ پرنسپل صاحب فرما چکے ہیں کہ یہ جلسہ بنگال کے قحط کی افتاد کو امدادی مہم کے ذریعہ وہاں کی غرض سے منعقد

کیا گیا ہے۔ جس میں آپ حضرات کی شرکت اس مقصد کی کامیابی کی بین دلیل ہے۔ جس کو پرنسپل صاحب فرما چکے ہیں۔ اور درحقیقت اس تمام اہتمام کی آڑ میں پرنسپل صاحب کی نظر عنایت ہی ہماری رہنمائی کر رہی ہے۔ ورنہ آج آپ حضرات کے سامنے ہمارے خیالات کا اظہار کبھی ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔

لیکن اس کا یہ مقصد بھی نہیں ہے کہ یہ جذبہ ناسازگار حالات کی وجہ سے پیچھے ڈھکیل دیا جاتا جبکہ موجودہ وقت ہمارے آپ کے لئے تو آسان ہے لیکن اسی ملک کا ایک خطہ ان لمحات کو جس مشکل اور بے بسی سے گذار رہا ہے اس کا اندازہ صرف وہی کر سکتے ہیں۔ جن پر وہ افتاد قہر کی صورت میں نازل ہو کر ایک روٹی کی خاطر موت کے بھیانک منہ میں اس طرح بھر رہی ہے جیسے کہ چکی کے پاٹ میں آٹے گندم کی بوریاں لوٹی جا رہی ہو۔ بالکل اسی طرح موت کے پاٹ میں بھوکے انسان بھرے ہوئے ہیں اور وہ بھی اس دور میں جبکہ انسانیت کا سر بلند ہو چکا ہے۔ مخلوق خدا ترقی کے راستے پر گامزن ہے رحم کے پرچم کائنات عالم پر لہراتے نظر آ رہے ہیں۔

لیکن میں سمجھتی ہوں کہ آج بھی درندگی کا دور دورہ ہے۔ آج بھی ظلم کی حکمرانی ہے آج بھی مفاد پرستی کا بول بالا ہے۔ ہاں اگر فرق ہے تو یہ ہے کہ پہلے کا انسان جاہل تھا اور آج قابلیت کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ ہمدردی اور خلوص کا اہل ثابت کیا جا رہا ہے۔ جس کو اگر غور سے دیکھا جائے تو اس تمام ڈھونگ اور بہروپ کی اصلیت نظر آنے لگی۔

شاید آپ کو میری اس بات پر یقین نہ آئے لیکن یہ میری زندگی
ایک اہم تجربہ ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔ تاکہ آپ سمجھ بھی سکیں
اور آزما ئیں بھی۔ کہ اس دور کی فطرت خود پرستی ہے۔ اخلاق۔ ذاتی
مفاد ہے۔ اور انسانیت اپنے کردار کو چھپانے کا ذریعہ ہے۔
ورنہ چالیس کروڑ کی آبادی میں۔ ایک صوبے کے انسان بھوکوں
نہیں مرتے۔ جبکہ بعض انسانوں کی دولت خود ان کو نہیں معلوم ہے کہ کتنی
ہے۔ لیکن اس ایک ماہ کی مدت میں اخباروں کی دل ہلا دینے والی سرخیاں
پڑھنے کے باوجود۔ ان کے ضمیر کو ٹھیس نہیں پہنچی۔ ان کا سویا ہوا
احساس نہیں جاگا۔ وہ نہیں سوچ سکے کہ ہمارے بھائی۔ ماں، بہن
اور بچے۔ روٹی کے ایک ٹکڑے کی خاطر جان گنوا رہے ہیں اور ہم
دنیا کی ہر نعمت سے پیٹ کا دوزخ بھر رہے ہیں۔ اگر وہ گندم
نہیں کھا سکتے تو جو ہی مہیا کر دیئے جائیں تاکہ بلک بلک کر جان تو نہ دیں
لیکن یہ احساس کسی مرد دل کو نہیں ہوا کسی دولت مند کی پیشانی
پر اس واقعہ سے غور و فکر کی لکیریں نمودار نہیں ہوئیں بلکہ پتھر کے بت کی طرح
اپنی جگہ ساکت رہے۔ ایک عام اور سرسری بات کی طرح وہ الفاظ بھی ان
کے ذہن سے مٹ گئے جو ایک دو نہیں لاکھوں انسانوں کی فریاد تھی۔
پیٹ کا دوزخ بھرنے کے لئے تمہارے سامنے پھیلائے ہوئے ہاتھ تھے
جس کو زندگی کے لئے بھیک دینا بھی تم نے اپنی توہین سمجھا۔ اور خاموش
بیٹھے دیکھتے رہے۔

کیا اسی کا نام انسانیت ہے ۔ ؟ کیا اسی کا نام اخلاق ہے ۔ ؟ کیا اسی کو رواداری کہتے ہیں ۔ افسوس صد افسوس ۔۔۔ ذرا ٹھنڈے دل سے یہ بھی تو غور کیا ہوتا کہ اگر یہ وقت ہمارے اوپر آجائے ۔ تو ہم کیا کریں گے پھر ہمارا دل کیا کہے گا ۔۔۔ اور نظریں کیسے کیسے کمزور سہاروں کو پکڑنے کے لئے مجبور کر دیں گی ۔

لیکن یہ کوئی نہیں سوچتا ۔ اور جب تک دنیا میں یہی مفاد پرستی قائم ہے ، کم از کم میں یہ کہنے کے لئے تیار نہیں کہ آپ کا معیار بلند ہے ۔ بلکہ میں ایسے انسانوں کو دورِ جاہلیت کے ان خونی درندوں پر کبھی ترجیح نہیں دوں گی جن کو آج کی تاریخ غیر مہذب کہتی ہے ۔ وہ آپ سے ہزار درجہ بہتر تھے ۔ ان کا دستور تھا کہ مجبور ، صعوبت ، ضعیف اور بچے سے کبھی انتقام نہ لیتے تھے ۔ مگر آج کا قابل اور مہذب انسان کسی کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خود عیش کرنا چاہتا ہے ۔ اور کر رہا ہے ۔ دولت نے اس کے ذہن پر غفلت کے ایسے پردے ڈال دیئے ہیں ۔ کہ موت بھی اس کو یاد نہ رہی وہ یہ بھی بھول گیا کہ دنیا چند روزہ ہے اور دولت چلتی پھرتی دھوپ جو آج کسی کے آنگن میں ہے تو کل کسی کی دہلیز پر ۔

یہی سبب ہے کہ ہمارے لاکھوں بھائی سسک سسک کر دم توڑ رہے ہیں ۔ مگر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی ۔ اتنا بھی افسوس نہیں ہوا جو ایک خریدے ہوئے کھلونے کے ٹوٹ جانے پر ہوتا ہے ۔

وہ پورے جوش و خروش سے اپنے جذبات کی ترجمانی کر رہی تھی کہ چنڈال

میں تالیوں کے شور نے اس کی سریلی آواز کو دبا دیا۔ اور وہ چند لمحے کیلئے خاموش ہو گئی۔ مگر جیسے ہی اس ولولہ میں قدرے کمی ہوئی اس نے پھر کہنا شروع کیا۔

سوچئے۔ اور ایک بار پھر سوچئے کہ آپ کا یہ فعل کس قدر شرم ناک ہے یہ خود غرضی کس قدر شرم ناک ہے، کہ ملمع زر کی خاطر ایک ضمیر ایسے انسانوں کی مدد سے باز رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ جن کی مجبور آنکھیں آپ کو اپنا بھائی تصور کرتے ہوئے حسرت سے تک رہی ہیں مگر آپ میٹھی نیند سو رہے ہیں۔ آپ کی زندگی میں وہی عیش و طرب شامل وہی جام و مینا کی کھنک رات کی سیاہی میں آپ کو سرور بخش رہی ہے اور وہی فلک شگاف قہقہے۔ آپ کے ہونٹوں پر رقص کر رہے ہیں جو پہلے کئی سالوں سے آپ کے ہمنوا رہے۔ اور جب تک سونے چاندی کی آب و تاب، آپ کی تجوریوں میں محفوظ ہے یہ ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔

لیکن ان کی گئی ہوئی سانسیں دوبارہ واپس نہ آسکیں گی۔ ان کے لٹے ہوئے گھر دوبارہ آباد نہ ہو سکیں گے ان کی اجڑی ہوئی زندگیاں آپ کے اخلاق پر ہمیشہ لعنت برساتی رہیں گی۔ جس کے لئے میں یہ سمجھتی ہوں کہ ان کے دکھے ہوئے دل کی بد دعا اثر کر گئی تو یاد رکھئے کہ آپ کی زندگی تاراج ہو جائے گی۔۔ آپ کی دولت مٹی کا ڈھیر ہو جائے گی۔ اور پھر جب ایسے خود غرض انسان اپنی مدد کے خواہاں ہونگے۔ تو اس دنیا کا ہر فرد ان سے منہ موڑ لے گا۔ آئندہ آنے والے دور میں بھی کوئی ان کی امداد

ہستی کی ہمنوائی نہیں کرے گا۔ تاریخ ایسے انسانوں کے سیاہ کارناموں کو ہر دور میں دوہراتی رہے گی۔

میرے پاس اس سے زیادہ اور ٹھوس الفاظ نہیں ہیں جن کے ذریعہ ان سوئے ہوئے سرمایہ داروں کے ضمیر کو جگایا جاسکے جو آج تک دولت جمع کرتے رہے ہیں۔ اور آیندہ بھی اسی طرح کرتے رہیں گے۔ حالانکہ مجھے ان کے ذاتی معاملات سے کوئی غرض نہیں ہے۔ لیکن میرا دل مجبور کر رہا ہے اور میں مجبور ہوں۔ کیونکہ دن کے اجالے میں رات کی سیاہی آج بھی پھیلی ہوئی ہے ۔ ورنہ میری زبان پر یہ الفاظ کبھی نہیں آتے اور صبح شام نکلنے والے اخبارات میں ۔ وہ سرخیاں درج نہ کی جاتیں جو اس قوم کے معیار کا ریکارڈ بن کر ہمیشہ قائم رہیں گی ۔!!

اس لئے میں التجا کروں گی کہ ابھی وقت ہے ۔ اگر آپ کی وجہ سے کسی کا گھر بن جائے۔ کسی کی زندگی بچ جائے۔ تو دنیا میں ہر شخص آپ کی عزت کرے گا آپ کا وقار بلند ہوگا۔ آپ کسی کے مسیحا کہے جائیں گے۔ قوم آپ پر فخر کرے گی۔ ملک کو آپ پر ناز ہوگا۔

اس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ باقی آپ کو اختیار ہے۔

وہ اپنا جملہ ختم کرکے مائک سے ہٹ گئی اور تالیاں گونج کر اس کے خیالات کو سراہتی رہ گئیں۔ مگر اس کے جذبات اس کی زبان سے بہت کچھ ادا کر چکے تھے ۔ بہت کچھ کہہ چکی تھی اس لئے پرنسپل صاحب نے مائک کے قریب آتے ہوئے کہا۔

اب مسٹر شمس آپ کے سامنے اپنے خیالات کا اظہار کریں گے۔
وہ اپنا جملہ ختم کر کے پھر بیٹھ گئے۔ اور شمس جب مائک کے قریب پہنچے تو فریلہ پنڈال کے درمیان میں کھڑے ہو کر زندہ باد کے نعرے لگانے لگے تالیاں بجنے لگیں شور کا سمندر اُبل پڑا۔ اور شمس چند لمحے کھڑے مسکراتے رہے آج انہوں نے سیاہ شیروانی اور علی گڑھ طرز کا چھوٹی موری کا پاجامہ زیب تن کیا ہوا تھا۔ پیروں میں سلیم شاہی جوتے ان کے ذوق کا مکمل ثبوت دے رہے تھے۔

جب پنڈال کا شور کچھ کم ہوا تو انہوں نے کہنا شروع کیا۔

"میرے بزرگو! بھائیو — بہنو۔ اور دوستو!

جہاں تک اس جلسہ کے مقصد اور مفہوم کا تعلق ہے — آپ سب پر اچھی طرح واضح ہو چکا ہے — اسی سلسلہ پر میں بھی کچھ عرض کروں گا حالانکہ مطلب وہی ہے جس کو ہمارے قبلہ پرنسپل صاحب — اور مس میری صاحبہ آپ کے سامنے بیان فرما چکی ہیں — پھر بھی میں آپ کا تھوڑا سا وقت برباد کروں گا جس کے لئے آپ کوئی خیال نہ فرمائیں۔ بلکہ یہ بات ضرور ملحوظ خاطر رکھیں کہ۔ یہ مسئلہ۔ ہماری آپ کی زندگی کا ایک جزو ہے جس بارے جس قدر اظہار خیال کیا جائے کم ہے۔

دوسرے لفظوں میں اس طرح سمجھ لیجئے کہ یہ بھی ایک مقدمہ ہے اس لئے جتنی بھی جرح کی جائے کم ہے کیونکہ ایک قاتل، چور یا ڈاکو عدالت کے کٹہرے میں پہنچ کر مجبور ہوتا ہے کہ فریق مخالف کے وکیل کے ہر جائز اور ناجائز

ہر سوال کا جواب دے ۔۔ ایسے ہی آپ بھی تصور کر لیجئے۔ کہ وہاں کا قحط
بظاہر تو ہماری وجہ سے نہیں۔ لیکن اس کے درپردہ جو صورت حال پوشیدہ
ہے اس کی ذمہ داری ہمارے سر پر آتی ہے

جس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ہم اُسی ملک کی وسیع چھاتی پر کھڑے ہیں
جس کے ایک حصہ پہ قہر خداوندی نازل ہے۔ اور ایک حصہ پر رحمت کی
بارش ہو رہی ہے ۔۔ ایک انسان پیٹ بھرنے کے لئے ترس رہا ہے۔
اور ایک لقمہ تر کھا رہا ہے ۔۔ یہ روایت عام ہے جو ازل سے قائم ہے اور
ابد تک قائم رہے گی لیکن اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی خیال رکھنا ہے۔ کہ اگر
یہ بلائے بے درماں ہم پہ نازل ہو جاتی تو ہمارا دل کیا کہتا۔ کیا ہماری آنکھیں
معصوم بچوں کو بلکتا ہوا دیکھ سکتی تھیں ۔۔ کیا ہم اپنی اور ایک روٹی کے
ایک ٹکڑے کی خاطر موت کی گود میں جاتا ہوا دیکھ سکتے تھے۔ کیا اپنی ماؤں بہنوں
اور بیٹیوں کا بھیک مانگنا گوارا کر سکتے ہیں۔ بولئے کیا ہم یہ باتیں برداشت
کر سکتے ہیں۔؟

"نہیں" کسی کی آواز آئی۔ اور شمس نے فوراً کہا۔
نہیں برداشت کر سکتے۔ یہ غلط ہے، آپ آج بھی برداشت کر رہے
ہیں۔ ایک غیر کی طرح۔ لیکن یہ بھولتے ہیں۔ کہ انسانیت کے رشتہ سے
وہ سب ہمارے ہیں۔ جن کو ہم غیر سمجھتے ہوئے نظر انداز کر رہے ہیں وہی
وہی ہمارا قوت بازو ہے۔ ان ہی پہ ہمارے ملک کا وقار قائم ہے۔ ان کی عزت
ہماری عزت ہے۔ ان کی رسوائی۔ ہماری ذلت ہے۔ ان کی موت ہماری

موت ہے۔

غالباً آپ سوال کریں گے۔ وہ کیسے؟ تو اس کا ہمارے پاس صرف یہ جواب ہے۔ کہ ہندوستان کس کو کہتے ہیں۔ اس کی چھاتی پر کتنی قومیں آباد ہیں۔ کیا ہر قوم اور زبان اس ملک سے خارج ہے۔ کیا وہ اس ملک سے وابستہ نہیں۔ ضرور ہیں۔

تو پھر میں یہ کہوں گا کہ — وہ ہمارے بھائی ہیں۔ جن پر یہ افتاد۔ کہ ان کی مائیں۔ بہنیں اور بیٹیاں بھیک مانگ رہی ہیں۔ اور ہم غفلت کی نیند سو رہے ہیں۔ اٹھئے اور دیکھئے کہ آپ کے بھائی کس مصیبت میں مبتلا ہیں۔ آپ کی عزتیں۔ کس طرح در در کی ٹھوکریں کھا رہی ہیں۔ آپ کا خود آپ پر نہیں رہا ہے۔ آپ کی غیرت ڈوب رہی ہے اسے بچا لیجئے ورنہ آپ بھی مٹ جائیں گے۔

کیونکہ آپ اپنے بھائیوں کی حق تلفی کر رہے ہیں۔ آپ خون کے اس رشتہ کو مٹا رہے ہیں جو ازل سے قائم ہے۔ خدارا اس کو بچا لیجئے ورنہ آپ کا جھکا ہوا سر پھر کبھی بلند نہ ہو سکے گا۔ اس سرزمین کی پیشانی پر لگنے والا سیاہ داغ۔ پھر کبھی نہیں مٹ سکے گا۔ یہی موقع ہے۔ آپ کی آزمائش کا۔ آپ کے اخلاق کی بلندی کا۔ اس لئے ہم سب مل کر انسانیت کے جھکتے ہوئے پرچم کو اٹھائیں۔ تاکہ دنیا کی ہر قوم ہمارے اتحاد کا لوہا مان سکے یہی دنیا میں کسی قوم کے زندہ رہنے کی پہلی دلیل ہے۔ اٹھئے اور اٹھ کر اس طوفان کا مقابلہ کیجئے۔ جو آپ کے گھر میں تباہی مچا رہا ہے۔ آپ کے مضبوط

قلعہ کی ایک دیوار منہدم ہو رہی ہے ۔ اسے گرنے سے بچا لیجئے۔ ورنہ آپ کا اقتدار مٹ جائے گا۔ آپ کا ملک بدنام ہو جائے گا ۔

اس لئے التجا کروں گا کہ تن من اور دھن سے بگڑتے ہوئے حالات کو استوار کیجئے۔ ورنہ اس خلا کو ایک مدت تک پُر نہیں کیا جا سکے گا۔ جو دن بدن وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ اگر یہ ایک آدمی کا کام ہوتا تو پھر کبھی میں آپ کو تکلیف نہیں دیتا۔ نہ کبھی آپ کے سکون پر ور دماغ میں ہیجان برپا کرنے کی کوشش کرتا ۔

اب میرے پاس الفاظ کا وہ خزانہ نہیں ہے۔ جو آپ کے سامنے اور پیش کرسکوں ۔ صرف التجا باقی ہے جو ہمیشہ کرتا رہوں گا ۔ اور اس وقت بھی اپنے بزرگوں۔ بھائیوں، بہنوں اور بزرگوں سے التجا کروں گا کہ اس میدان میں ایک جانباز مجاہد کی طرح۔ اپنی اپنی صلاحیت کے جوہر دکھا کر اپنے وقار کو اونچا کریں۔ اپنی نسل کی بقا کے لئے رضاکارانہ جدوجہد کریں میری ہر خدمت آپ کے اور آپ کے اتحاد کے لئے وقف ہے۔ اور امید کرتا ہوں کہ آپ سب ہماری اس اسکیم سے تعاون کریں گے جس کو جناب قلبنج صاحب پرنسپل صاحب اور مس میرتی صاحبہ نے عملی جامہ پہنا کر آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔

میں اپنا مدعا بیان کر چکا۔ اس لئے اجازت دیجئے۔ خدا حافظ۔

شمس اپنی تقریر ختم کر کے مائک سے ہٹ گئے اور پھر وہی شور فضا میں پیدا ہو گیا۔ وہی نعرے گونجنے لگے، وہی جوش وہ تالیوں کی جھنکار میں حل ہو گیا۔ فرید میاں اپنے جگری دوست کی اس کامیاب تقریر پر یری

طرح گلا پھاڑ پھاڑ کر ماحول پر اپنے جذبات کا اثر قائم کر رہے تھے۔ کہ پرنسپل صاحب مائک کے قریب آتے ہوئے بولے۔

اب میں جناب صدر سے التجا کروں گا کہ وہ اس جلسہ کی بنیادی اسکیم پر ضرور کچھ اظہار خیال کریں!

الفاظ کا تسلسل ٹوٹتے ہی پھر شور برپا ہو گیا اور جج صاحب مسکراتے ہوئے کھڑے ہو کر فرمانے لگے۔

عزیز دوستو! اور پیارے بچو۔ جلسہ کا اصل مقصد آپ سب پر واضح ہو چکا ہے اس لئے میں زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ ایک ملک اور قوم کو مسٹر شمس جیسے ہونہار نوجوان کی ضرورت ہے۔ مجھے یہ دیکھ کر انتہائی خوشی ہوئی ہے کہ اس کالج کے طلبا اور طالبات عوامی ہمدردی کی جانب مائل ہیں اور اگر اسی طرح اپنے ارادوں پر قائم رہے تو کامیابی کا سہرا یقینی طور پر ان کے سر رہے گا۔

مزید سرمایہ دار طبقہ سے میں اپیل کروں گا کہ   کے کالج کو مد نظر رکھتے ہوئے ان مجاہدوں کے جذبات سے نہ کھیلیں جن پر آئندہ پروگرام قوم کا وقار قائم ہو گا۔ میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ روپیہ بہت مشکل سے حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ دولت رکھی رہے اور انسان بھوکوں مر جائے۔ آپ سب یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ دنیا کا ہر کام زندگی کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور جب زندگی نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ ورنہ آپ مجھے بتائیں کہ بعد مرنے کے اس دولت کا کیا ہوتا ہے جو تمام زندگی جمع

کی جائے۔

اس لئے میں یہ کہوں گا کہ ان گذشتہ روایات کو اگر ترک کر دیں تو بہت اچھا ہے اس سے یہ مراد نہیں کہ آپ آئندہ پس انداز نہ کریں یا اپنی ساری پونجی اس کار خیر پر صرف کر دیں بلکہ حسب توفیق بطور امداد جو کچھ بھی آپ دیں گے وہ آپ کی انسانیت اور خلوص کا مجسم ثبوت ہوگا۔

"آپ پر چونکہ تمام حالات ظاہر کیئے جا چکے ہیں اس لئے مزید دہرانے سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اب ضرورت عمل کی باقی ہے جس کا دارومدار آپ پر ہے اس لئے میں اپنے مختصر الفاظ ختم کرتے ہوئے اس امر کی امید کرتا ہوں کہ آپ ہر ایک دوسرے کے دوش بدوش رہ کر اس جلسہ کے بنیادی مقصد کو ضرور کامیاب بنائیں گے بس ہیں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔

جج صاحب اپنی کرسی پر بیٹھ گئے اور تالیاں بجتی رہیں تو پرنسپل صاحب آگے بڑھتے ہوئے بولے۔

"معزز حضرات! اور میرے بچو! میں بہت خوش ہوں کہ آپ سب نے اس جلسہ کو جو بغیر کسی اہتمام کے اچانک ہو گیا۔ پوری طرح کامیاب بنایا اب میں ان حضرات کے نام آپ کے سامنے پیش کروں گا جو اس اسکیم کے منظر عام پر آنے سے پہلے ہی ایک کثیر رقم بطور چندہ دے چکے ہیں۔ ہمارے محترم صدر یعنی جج صاحب نے مبلغ ایک لاکھ روپیہ بذریعہ چیک اس کمیٹی کو دیا۔

ان کا جملہ ختم ہوتے ہی تالیاں بجنے لگیں اس لئے وہ کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گئے اور جب اس فضا کا شور کم ہوا تو پھر بولے۔

"اور مبلغ دو لاکھ روپیہ مسٹر شمس نے بطور عطیہ پیش کیا ہے۔"
یہ سنتے ہی فریدیمیاں پھر کھڑے ہو گئے اور زندہ باد کے نعرے لگانے لگے تمام طلباء اور طالبات نے مسرت کا اظہار کیا۔ جس پر میری کے دلکش ہونٹ بھی گلاب کی پتیوں کی طرح کھل گئے۔ اور مخمور نگاہیں شمس کے خوبصورت چہرے پر جم گئیں۔ جو بدستور سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے۔ کہ پرنسپل صاحب نے کہا۔
"اور مبلغ پچاس ہزار کی رقم بطور عطیہ مسٹر جونسن نے عنایت کی ہے"
مسٹر جونسن کا نام اور کل رقم کی تعداد سن کر کسی نے ان کے عطیہ کا خیر مقدم نہیں کیا۔ اس ذلت کا ان کو بھی احساس ہوا لیکن کر بھی کیا سکتے تھے اس لئے خاموش بیٹھے رہے البتہ ان کی قہر آلود نگاہیں شمس کو اس طرح تک رہی تھیں جیسے ان کی ذلت کا اصل سبب وہی ہوں۔
اس چیز کا اندازہ میری نے بھی کر لیا۔ اور جج صاحب بھی تاڑ گئے کیونکہ مسٹر جونسن باوجود ضبط کے اپنے غصہ پر قابو نہیں پا سکے تھے۔ ان کی آنکھیں ان کے دل کی ترجمانی کر رہی تھیں۔۔ ان کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ شمس کو اپنی توہین کا موجب سمجھ رہے ہیں ادھر یہ سلسلہ جاری تھا کہ پرنسپل صاحب پھر بولے۔
"اس طرح کل ساڑھے چار لاکھ روپے کی رقم ہمارے پاس آ چکی ہے اور آئندہ کے لئے توقع ہے کہ بہت جلد اس سے زیادہ رقم دیگر ذرائع سے مہیا کر لی جائے گی جس میں ایک تو چندے کا سلسلہ ہے اور دوسرا امداد ایٹی۔

شو جو بہت جلد منظر عام پہ آنے والا ہے ۔ جس میں مس میری، مسٹر شمس کے ساتھ رضیہ خانم اور ان کے علاوہ اور دیگر طلباء و طالبات بھی حصہ لیں گی ۔

یہ سنتے ہی فرید میاں پھر کھڑے ہو کر شور مچانے لگے سارا پنڈال تالیوں میں ڈوب گیا۔ لیکن مسٹر جون اس خبر سے اور زیادہ برہم نظر آنے لگے۔
میری برابر جائزہ لے رہی تھی اور پرنسپل صاحب کل کارروائی سے آگاہ کر رہے تھے ۔

اب میں طلباء اور طالبات سے کہوں گا کہ وہ اپنے اپنے کلاس کے گروپ بنا کر ان لڑکوں اور لڑکیوں کے نام دفتر میں درج کرا دیں جو اس اسکیم کے ساتھ تعاون کرنا چاہتے ہیں۔ نیز جو ڈرامے میں حصہ لینا چاہتے ہیں وہ اپنے نام کے آگے اپنا مقصد ضرور تحریر کرا دیں ۔
یہ کام وہ چار دن کے اندر حل ہو جانا ضروری ہے۔ تاکید جلد از جلد عمل درآمد کر دیا جائے ۔ مجھے صرف یہی اور کہنا تھا اس لئے آپ جلسے کی کارروائی کو ختم تصور فرماتے ہوئے اپنے اصل مقصد پر گامزن ہونے کے لئے تیار ہو جائیے۔
ان کے الفاظ کا تسلسل ٹوٹ گیا اور سب اٹھ کر جانے لگے۔ اس طرح ایک قلیل وقت میں زبردست مہم کا آغاز ہو گیا ۔
کالج کے طلباء اور طالبات دیگر مہمانوں کے ساتھ اٹھ کر جلسہ گاہ سے باہر نکل کر کالج کے لان میں صرف اس لئے جمع ہونے لگے تاکہ اپنے عزیز دوست مسٹر شمسی اور میری کو مبارکباد دے سکیں ۔

جب رفتہ رفتہ سارے مہمان چلے گئے۔ تو پرنسپل صاحب کے ہمراہ جج صاحب ــ مسٹر جون ــ مس میری ــ اور شمس بھی جانے کے لئے باہر آئے۔ تو ایک بڑے ہجوم نے انہیں گھیر لیا۔

اور ساکت فضا ایک بار پھر زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔

فرید میاں سب سے آگے تھے ان کی اپنی وجہ سے علاوہ مسٹر جون کے باقی سب کے نعرے آسمان کی بلندیوں تک پہنچ رہے تھے۔

سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک یہ عام حضرات سوائے شمس کے اپنی اپنی کاروں میں بیٹھ کر روانہ نہیں ہو گئے۔

ان کے چلے جانے کے بعد۔ فرید میاں اور شمس بھی ہوسٹل کی طرف چل دیئے۔ کیونکہ دونوں ایک ساتھ ہی ہوسٹل میں قیام پذیر تھے۔

❖

اس جلسے کے بعد ہی کالج کے بارہ ہزار طلبا کی ایک بڑی جمعیت جس میں لڑکیاں بھی شامل تھیں۔ میری اور شمس کے ارادوں کو لبیک کہنے لگے اور دوسرے ہی دن سے چندے کی فراہمی کا کام بمبئی کے علاوہ گرد و نواح کے علاقوں میں بھی تیزی سے شروع ہو گیا۔

روزانہ لاکھوں روپے مختلف اطراف سے آنے لگے ہر گروپ ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش میں زیادہ سے زیادہ جد و جہد کرنے لگا تاکہ ان کا نام ہو اور ان کے کالج کی عزت میں فروغ ہو۔

اسی طرح ایک ہفتہ گذر گیا اور ادھر ڈرامے کی ابتدائی تیاریاں بھی مکمل کر لی گئیں جس میں شمس اور میری کا بہت بڑا ہاتھ تھا صبح سے شام تک اور بعض اوقات رات میں بھی دونوں مل کر اپنے کام کو خوبصورتی سے انجام دینے کی جد و جہد میں مصروف تھے۔

اس بات کا علم۔ جج صاحب اور مسز جون کو بھی تھا کیونکہ اکثر اوقات جج صاحب کی کوٹھی پر بھی یہ دونوں اپنے کردار کی ریہرسل کرتے رہتے تھے۔ اور کبھی کبھی ایسا اتفاق بھی ہو جاتا تھا۔ کہ میری ہوسٹل میں جا کر شمس

کے پاس ہی ریہرسل کر لیا کرتی تھی۔ اس لئے پرنسپل صاحب کا ہر وہ جگہ آنا جانا لگا رہتا تھا۔ جن کے ساتھ اکثر و بیشتر مسٹر جون بھی آتے رہتے تھے۔

یہی وجہ تھی کہ ان کو پورے حالات کا مکمل علم رہتا تھا۔ اور ساتھ ہی وہ جس قدر ان حالات کے قریب آتے گئے، شمس اور میری کی بے لوث دوستی ان کے دل میں رقابت کی آگ لگاتی رہی جس کو وہ ایک عرصہ تک یہ سوچتے رہے۔ برداشت کرتے رہے کہ شاید جج صاحب ان کی اس آرزو کو پورا کر دیں جس کا ذکر ایک بار کر بھی چکے تھے۔

لیکن جج صاحب نے ابھی تک اس طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ جس کا اندازہ مسٹر جون کو اچھی طرح تھا پھر بھی وہ ایک غلط امید موہوم کو اپنے سینہ میں چھپائے میری کی مخمور جوانی سے ہم آغوش ہونے کے شیریں خواب دیکھ رہے تھے۔ خواہ اس کو ان کی نادانی تصور کیا جائے یا انسانی فطرت۔ بہر نوع ایک آرزو تھی۔ جس کے سہارے وہ میری کی کج روی برداشت کر رہے تھے ــــ ایک خیال تھا۔ جو انہیں ہر دم بے چین کرتا رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ تمام حالات اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی زبان ہلانے سے مجبور تھے۔

اسی طرح وقت گذرتا رہا۔ ڈرامے کی تیاریاں بڑے زور شور سے ہو رہی تھیں۔ شمس اور میری کے تعلقات دن بدن بڑھ رہے تھے اور مسٹر جون کا جذبۂ محبت انتقام کی صورت اختیار کر کے شمس کو اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے مجبور کر رہا تھا۔

مسٹر جون کے اس ارادے سے میری بیٹی کچھ کچھ واقف ہو گئی تھی اس کی نگاہیں اس کے بدلے ہوئے حالات دیکھ کر سب کچھ سمجھ گئی تھیں حالانکہ وہ بظاہر اپنے آپ کو میری بابت ہم خیال ظاہر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ لیکن بناوٹ، بناوٹ ہی رہتی ہے۔ اس لئے وہ اپنے کردار کو اپنے خیالات کی طرح نہیں چھپا سکے۔ البتہ اس دوران میں انہوں نے فریدیان اور رضیہ خانم سے دوستی مزید گانٹھ لی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو اپنی غیر موجودگی کے حالات بھی رضیہ کی زبانی معلوم ہوتے گئے۔

کیونکہ رضیہ شمس کی ایک مدت سے گرویدہ ہو چکی تھی۔ اور اکثر اوقات ایسے اتفاقات بھی آئے کہ اس کو شمس سے بات چیت کرنے کا موقع ملا لیکن وہ اپنے دل کی بات شمس پر واضح نہ کر سکی۔ اس کو عورت کی فطرت سمجھئے یا اس کی کمزوری کہ متعدد بار شمس کے قریب ہو کر بھی دور ہی رہی۔

اس معاملہ میں شمس کا کردار اس کو آگے بڑھنے سے روکتا رہا۔ حالانکہ وہ کئی بار شمس کے ساتھ کالج فنکشن میں کام کر چکی تھی کیونکہ محبت اور جذبات کی نگارش اس کی نس نس میں قدرتی طور پر پائی جاتی تھی جس کو اگر یہ کہا جائے تو بہت مناسب ہے کہ وہ طالب علم کم ہے۔ اور ادا کار زیادہ تھی۔ اس کے جسم کی ساخت، چہرے کے ابھرے ہوئے خدوخال پرکیف آنکھیں۔ سانولے رنگ پر۔ ایسا کھیلا معلوم ہوتا تھا جیسے کالے بادلوں کے درمیان سے جھانکنے والا چاند، آسمان کی بلندیوں سے مسکرا کر دیکھتے ہوئے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس رنگ میں بھی دنیا والوں کے لئے

ایک نایاب اور نادر تحفہ ہے جس کو قدرت نے اپنی صنعت کا شاہکار بنا کر انسانی حقائق کی اولین دلیل بنا دیا ہے۔

بالکل ایسے ہی رضیہ خانم اپنی سانولی سلونی صورت میں لاانفعال شاعرانہ انداز کی نمایاں خصوصیت چھپائے زندگی کی اٹھارویں بہار کے موڑ سے گزر چکی تھی لیکن اس کا میانہ قد اور جسم کی گداز ساخت۔ بادلوں میں چھپے ہوئے چودھویں کے چاند کا نمونہ معلوم ہوتی تھی۔ اس کے الفاظ محبت کی شیرینی سے پُر معلوم ہوتے تھے اس کی مسکراہٹ سحر انگیز تھی جس کا جادو کئی دلوں کو اپنی طرف کھینچ چکا تھا۔

لیکن وہ خود کسی بڑے ظلم کی گرفت میں تھی۔ جس کا ساحر بھولا بھالا اور سنجیدہ طبیعت شمس تھا جس کی زندگی محبت کی چاشنی سے بے بہرہ تھی۔ جس کی مسکراہٹیں جذبات سے لبریز ہوتے ہوئے بھی۔۔۔ جوانی کے اس مقصد سے گریز کرتی ہوئی نظر آتی تھیں پھر بھی وہ اس کی مالا جپا کرتی تھی اس کی ہی محبت کے وہ گیت گایا کرتی تھی۔ جن کی آواز سوائے اس کے اور کوئی نہیں سن سکتا تھا۔

مگر جب اس کی آنکھوں نے شمس کو میری کے قریب دیکھا محبت کے جذبہ میں خودداری اور انتقام کی آگ سلگنے لگی۔ دل میں اس حادثہ واقعہ کا درد پیدا ہو گیا۔ حالانکہ شمس اور میری اپنی جگہ دو مستحکم پہاڑ تھے جو کبھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتے۔ وہ دونوں ایک دریا کے دو کنارے تھے جو ایک روش پر ایک ساتھ چلنے کے باوجود کبھی نہیں مل سکتے۔ جن کے

درمیان ایک گہری گہرائی حائل تھی۔ جس کا عبور کرنا بہت مشکل تھا۔ لیکن محبت، مذہب، سماج اور اصولوں کے بنیادی پہلوؤں پر کبھی نظر نہیں رکھتی ان کے لئے تو ہر دو جوانیاں خواہ کسی مذہب کی گرفت میں ہوں کسی اصول کی قید میں ہوں اور کسی بھی آہنی زنجیریں ان دونوں کو جکڑنے کے لئے تیار کی گئی ہوں۔ لیکن محبت کے سامنے دنیا کی ہر پابندی۔ ہر اصول اور ہر رکاوٹ پامال ہو جاتی ہے۔

یہی بات رضیہ کے ذہن میں شمشی اور میرا کے اچانک اس میل پر پیدا ہو گئی۔ جو کسی کی امداد کے بہانے دن بدن قوی ہو رہا تھا۔ یہ چیز رضیہ کو بہت شاق گذرتی تھی۔ اور جب کبھی وہ دونوں بلا تکلف ایک دوسرے سے باتیں کرتے ہوئے نظر آجاتے تھے۔ تو۔ اس کا دل چاہتا۔ کہ ابھی اور اسی دم میرا کو اپنے راستے سے ہٹا دے۔ لیکن ایک دولتمند جج کی لڑکی کو۔ اپنے راستے سے ہٹانا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ دوسرے شمشی بھی ان کی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ یہ سوچتے ہوئے وہ میز کے دامن کو اپنے نازک ہاتھوں اس طرح پکڑ لیتی کہ اس کی پر کیف آنکھوں میں دو سفید چمکدار موتی تیرنے لگتے۔ پیشانی پر صبر و ضبط کی انتہائی کوشش کے سبب پسینے کے ننھے ننھے قطرے جھلک آتے ملائم اور نازک رخساروں پر رقابت کے جوش سے خون کی سرخی جھلک آتی۔ ذہن اپنی حماقت پر بار بار بھٹک کر ایسے خیالات کی طرف پہنچ جاتا جہاں اس کی ناکامی کی قہقہے بکھیرتی نظر آتی۔

لیکن ایک لڑکی جس کا دوسرا نام ۔ نازو انداز کا مجموعہ، محبت کی پرستار ۔۔ جذبات کا روپ ۔۔۔ آرزوؤں کا تقاضہ ۔ نسوانی حقیقت ہے۔ وہ بھلا کیسے ان اختلافات کا مقابلہ کر کے اپنی محبت کو جیت سکتی تھی جبکہ سماج نے کچھ پابندیاں اس پر بھی عائد کر رکھی تھیں ۔ اور پھر سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ خود اس کا محبوب ۔۔۔ جس کی محبت اس وقت سے اس کے دل میں پروان چڑھ رہی تھی ۔ جب شمس اس کالج میں آیا۔ لیکن وہ رضیہ کے جذبات، اس کے خیالات سے بالکل بے نیاز تھا۔

اس لئے یہ باتیں وہ ایک مدت تک برداشت کرتی رہی ۔ اور نہ معلوم کب تک برداشت کرتی رہتی کہ اس کی ملاقات مسٹر جوکی ۔ اور فرید سے بھی ہو گئی ۔ حالانکہ وہ فرید کو پہلے بھی اچھی طرح جانتی تھی۔ لیکن اس قدر مراسم اس ڈرامے کے آغاز میں پیدا ہوئے کہ ۔ فرید میاں اپنی حسب عادت چھیڑ چھاڑ کرنے کے باوجود پرنسپل صاحب کے سامنے تک نہیں پہنچ سکے ورنہ جب کبھی بھی انہوں نے کسی لڑکی پر کوئی فقرہ چست کیا۔ تو اس نے فوراً ان کی شکایت کر کے ان کا مزاج درست کروا دیا۔ جس کا اثر ایک ہفتہ تک ان کے دماغ پر رہا کرتا تھا۔

لیکن رضیہ نے ان کی شکایت اس وجہ سے نہیں کی کہ وہ ان کی زبانی شمس اور مسٹری کی حقیقت سے ہم آشنا ہونا چاہتی تھی ۔ مسٹر جوکی چونکہ رقیب تھے، اس لئے ۔ اس نے سوچا کہ۔

خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو

یہی وجہ تھی کہ رضیہ کو فریدہ کی زبانی جو کچھ بھی معلوم ہوتا۔ وہ اس کا علم شکان کے ذریعہ جون کو آگاہ کر دیتی۔ اور وہ معاملے کی نزاکت پر اچھی طرح غور کرنے کے بعد موقع کے انتظار میں خاموش ہو جاتے۔

یہ سلسلہ کافی دن تک چلتا رہا۔ کیونکہ ریہرسل برابر ہو رہی تھی اور شو ہونے کے دن قریب آ رہے تھے اس لئے رضیہ اور جون اس فکر میں مبتلا ہو گئے کہ جیسے بھی ہو۔ یہ شو روکا جائے۔

فریدہ میاں کی زبان کو بڑا دخل تھا۔ کیونکہ جب بھی رضیہ یا جون ان سے یہ سوال کرتے کہ تمہارے دوست نے تو بہت اچھی جگہ تمہیں ڈالا ہے تو وہ فوراً کہتے۔

اور کیا میرا دوست تمہاری طرح ہے کہ ایک مدت تک گھر کے چکر کاٹتے رہو۔ حالات کا جائزہ لیتے رہو ـــ اس کے بعد ان محترمہ کی نظر عنایت کا منتظر رہو۔ غرضیکہ اس طرح یا تو ساری عمر گذر جائے۔ یا پھر وہ اپنے والدین کی مرضی کے مطابق کسی کی ہمیشہ کے لئے ہو جائیں۔ اور آپ ہنوز روز اول کی طرح حسرتوں کا جنازہ اپنے کاندھے پر اٹھا کر کسی ایسے قبرستان کی تلاش میں سرگرداں پھرتے رہیں۔ جس میں آپ کے ساتھ آپ کے مردہ دل کو دو گز نہیں تو کم از کم۔ دو انچ جگہ ہی مل جائے۔ ہم یا ہمارا دوست اس اصول کے قائل نہیں ہیں۔

اور مسٹر جون یہ سن کر کہتے۔

یہ سب نصیب کی بات ہے۔

تو فرید لقمہ دیتے۔

جون صاحب، چلنی میں دو کر قسمت کو کیوں روتے ہو اور سچ پوچھو تو یہ محترمہ خود ہی میرے یار کے گلے کا تعویذ بننا چاہتی ہیں۔

حالانکہ وہ ان سے مطلق دلچسپی نہیں لے رہا تھا — مگر میں نے کہا اب کیوں گھر آئی ہوئی دولت کو ٹھکرا رہے ہو — جج کی بیٹی ہے۔ خوبصورت ہے۔ پیسے والی ہے۔ فیشن ایبل ہے — میری جان دنیا تو ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتی ہے — اور تم ایسے جاہل ہو کر اسے ٹھکرانا چاہتے ہو۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو گوڈ قسم ڈارلوگ کے بنگلے پر بستر بوریہ لگا کر بیٹھ جاتا۔

جون نے گھبراتے ہوئے کہا۔

"یہ تم نے بڑا ظلم کیا۔

وہ کیسے۔؟

تم نہیں جانتے — یہ لڑکی بہت آوارہ ہے — ابھی کچھ دن پہلے میرے آغوش کی زینت بنی رہا کرتی تھی۔ میری محبت پر آنسوؤں کے موتی نچھاور کرتی تھی۔ اور اب تمہارے دوست کو اُلّو بنا رہی ہے۔"

فرید نے چونک کر کہا۔

"الّو بنا رہی ہے۔؟ یہ تمہارا خیال ہے۔ میرا دوست ایسا نہیں وہ تو پکا معاملہ کرتا ہے۔ اب کچھ دنوں میں دیکھ لینا۔ دونوں کی شادی اس طرح ہو گی کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔

"اچھا۔؟"

"اور تم کیا سمجھتے ہو۔ سارا معاملہ پکا ہو چکا ہے؟"

"کیا جج صاحب بھی تیار ہو گئے ہیں؟"

ارے میاں اس بڈھے کا کیا ہے۔ میرے یار کی ایک چھوکری ہیں سر پہ بٹھلائے پھرتا ہے۔ اس کی لونڈیا نے کہیں یہ کہہ دیا تھا۔ کہ میں ان کے ساتھ شادی کروں گی ــــ ورنہ زہر کھالوں گی۔ بس پھر کیا تھا ــ جج صاحب کے ہوش گم ہو گئے ــ سارا قانون بھول گئے ــــ سیدھے بھاگتے ہوئے شمسا کے پاس آئے ــــ اس نے کہہ دیا کہ میرا اختیار فریدہ کو ہے۔ فوراً مجھ سے رجوع ہو گئے۔ جب میں نے دیکھا کہ معاملہ فٹ ہے تو کہہ دیا کہ بس اگر اپنی لڑکی کی زندگی چاہتے ہو ــــ تو جیسے وہ کہے کرو۔ ورنہ تم جانو ــ اور تمہارا کام ــــ یہ سن کر تھوڑی دیر تک خاموش بیٹھے سوچتے رہے۔ پھر بولے ــ میں تیار ہوں۔ تم ان کو سمجھا دینا۔ امتحان ختم ہوتے ہی اپنے لونڈے کی۔ ٹوں ن ــ ٹوں ن ــ ٹوں ن ــــ ٹوں ن۔ جھم جھم جھم ـ ـ ـ ـ لارا لارا ـ ـ ـ لارا را ـ جھم جھم جھم۔ ٹوں ن ٹوں ن ـ ہاں۔"

تو معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے۔

اچھا تو جناب ـ ـ اس ڈرامے کا مقصد ـ ـ ـ اور اس فلم کے آغاز کو کیا گڈے گڑیوں کا کھیل تصور فرما رہے تھے۔

میں تو پہلے ہی کھٹک رہا تھا۔

" پہلے کھٹک رہے تھے۔ اب لٹک رہے ہو۔"

" ہاں دوست۔ لیکن خیر میرا دم میں دم ہے۔

" تو آپ کیا کریں گے۔؟"

" کچھ نہیں۔"

" میں سب سمجھتا ہوں.... سنئے جون صاحب۔ میرے یار نے زندگی میں پہلی بار اس لڑکی سے آنکھ لڑائی ہے۔ اور وہ بھی میرے اصرار پر — ورنہ صبح سے شام تک جانے کتنی میریاں اس کے دروازے پر اس خیال سے چکر لگاتی ہیں۔ کہ چاہے بات نہ کرنے۔ لیکن ایک نظر دیکھ تو لے۔ سمجھے آپ — اور میرا صوفی کبھی یہ بھی نہیں دیکھتا کہ یہ حور کھڑی ہے یا پری۔ اور وہ تو اس کے ساتھ بھی ایسا ہی کرتا لیکن میں نے سوچا کہ یہ جج کی لونڈیا ہے — آدھی بمبئی پر حکومت ہو جائیگی دوسرے پرنسپل کو تو یوں سمجھ لو کہ اس کا غلام ہے۔ اس لئے میری مشکل بھی آسان ہو گئی — ورنہ وہ کم بخت تو ناشتے کی طرح ہر روز مجھے ڈانٹ پلاتا تھا۔ لیکن جب سے یہ سلسلہ شروع ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کایا پلٹ گئی ہے۔

تم نے اپنے مفاد کی خاطر دو انسانوں کو مصیبت میں مبتلا کر دیا۔

وہ کون کون۔

ایک میں — اور ایک رضیہ خانم۔

آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ اس میں مصیبت کی کیا بات ہو گئی۔ اور

اگر ہو بھی گئی تو ۔ اس کا تدارک اس طرح کر لیجئے کہ آپ اور آپ
میرا مطلب ہے ؎

نین ملا لو ——— پریت جتا لو ؎

رضیہ نے غصہ سے کہا ۔
ہوش میں آئیے ۔ مسٹر فرید ۔ !!
" اوہ ! آپ موجود ہیں ۔ تو ویری سوری ——— ویری ویری سوری
لیکن ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجئے ۔

خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو ؎

آپ بہت آگے بڑھتے جا رہے ہیں ۔ ایسا نہ ہو کہ مجھے آپ کی پرنسپل
سے شکایت کرنی پڑے ۔
ہوں ... اب تو آپ ۔ ایک نہیں دس پرنسپلوں سے میری شکایت
کر دیجئے ۔
جون نے لقمہ دیا ۔
چھوڑیئے مس رضیہ آپ کی زبان پر اس قدر نادانی کی بات ؟
" آپ کہتے ہیں تو میں خاموش ہوئی جاتی ہوں ۔ لیکن — !
لیکن ویکن کچھ نہیں ۔ جواب کے لئے وقت کا انتظار کیجئے ۔
فرید نے فوراً کہا ۔
وقت کبھی کسی کا انتظار نہیں کرتا ۔ پھر آپ ہی اس کا انتظار کیوں
کریں ۔ میرا مطلب ہے ۔ جو کل کرے سو آج کر جو آج کرے سو اب ۔ یعنی

چٹ منگنی پٹ بیاہ ـــ اور اگر سچ پوچھو تو جیسی سندر جوڑی مس ہیسٹری اور شمس کی ہے۔ ویسی ہی قریب آپ دونوں کی ہے۔

جون نے جھنجھلاتے ہوئے کہا ۔

فرید صاحب ! آپ بہت آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔

سچی بات تو سب کو ہی بری لگتی ہے۔ کیا سمجھے ۔

خوب سمجھ رہا ہوں !

آپ کچھ نہیں سمجھے ۔ ورنہ میرے خیال کی داد دیجئے ۔ کیوں مس رضیہ آپ ہی فیصلہ کیجئے۔ میں نے کوئی بری بات کہی ۔ ؟

رضیہ غصہ کے لہجہ میں بولی ۔

جی نہیں۔ آپ نے بہت خوبصورت بات کہی ۔

شکریہ ۔ کیا سمجھے مسٹر جون ۔ یا پھر سمجھاؤں ؟

جی نہیں مجھے معاف ہی رکھئے تو بہتر ہے ۔

نہیں میں ۔ اس میں ایسی کیا بات ہے ۔ جوانی میں دل کا لگانا یقینی امر ہے ـــ اور پھر اس دور میں تو گلی در گلی ۔ لیلیٰ مجنوں ۔ شیریں فرہاد کی ۔ اولاد ماری ماری پھرتی ہے ۔ ہر گھر نجد کا جنگل بنا ہوا نظر آتا ہے ایسی حالت میں اگر آپ نے دل لگا لیا تو کونسا گناہ کیا کر دیا ۔

میں کہتا ہوں ۔ برائے مہربانی آپ خاموش ہو جائیے ۔

، چلئے میں آپ کی طرف سے کچھ نہیں کہتا ۔ لیکن مس رضیہ تو میری کلاس فیلو ہیں ۔ ان کی طرف سے آپ مجھے ہی وکیل تصور کر لیں ۔

آپ اس طرح باز نہیں آئیں گے۔ رضیہ نے کرخت لہجہ میں کہا۔

او ہو۔ تم نے بھی انتہا کر دی۔ بھلا ایسی بھی کیا شرم کہ اپنی دلی آرزو کو کچل دو۔ اور وہ بھی میری وجہ سے۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔

فرید میاں دیوانوں کی طرح اپنی بڑ ہانک رہے تھے کہ مسٹر جون اور رضیہ دونوں اٹھ کر چلے گئے۔ اور یہ مسکراتے ہوئے آرام کرسی پر دراز ہو کر ان حالات پر غور کرنے لگے جو آئندہ پیش آنے والے ہیں۔

یہ تمام باتیں شمس اور میری کی غیر موجودگی میں اس طرح ہوئی تھیں کہ مسٹر جون کو میری اور شمس کے رومان کا پورا پورا یقین ہو گیا۔ اور اس دن سے رضیہ اور وہ خود پھر کبھی میری کے بنگلہ پر نہیں آئے۔ لیکن سوائے فرید میاں کے اور کوئی اس حقیقت سے آشنا نہیں تھا۔ اور وہ نہ جانے کیوں خاموش تھے۔ حالانکہ اکثر اوقات جج صاحب اور پرنسپل صاحب ان دونوں کے بارے میں پوچھا کرتے تھے۔ لیکن انہوں نے کسی کو خاطر خواہ جواب نہیں دیا۔ بلکہ رضیہ کی جگہ دوسری لڑکی کو میری سے منسوب کر کے دلا دی۔

اس طرح یہ سلسلہ برابر جاری رہا۔ اور کسی کو ان کے مذاق کا علم بھی نہ ہو سکا۔

-:-

حسب معمول ڈرامہ کی تیاریاں پورے زور شور سے جاری تھیں صرف تاریخ کا تعین باقی تھا۔ کہ ایک دن جب شام کو پرنسپل صاحب کے ہمراہ پورا عملہ جو اس ڈرامائی شوبہار سے متعلق تھا۔ میری کے بنگلہ پہ پہنچا تو باتوں باتوں میں مسٹر جون کا ذکر چھڑ گیا کیونکہ وہ ایک ہفتہ سے نہیں آ رہے تھے۔ اس لئے جج صاحب نے کہا۔

نہ معلوم کیا بات ہوگئی۔ جو ایک ہفتہ سے جون نہیں آئے۔

پرنسپل صاحب نے کہا۔

جی ہاں۔ میں نے فون بھی کیا تھا مگر اس وقت وہ گھر پہ موجود نہیں تھے۔ ورنہ اس نہ آنے کی وجہ ضرور معلوم ہو جاتی۔

فریدہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ اس لئے فوراً بولے۔

ان کا نہ آنا ہی بہتر ہے۔

کیوں ؟ ؟

اب کیا بتاؤں :

جج صاحب نے کہا ۔
آخر ایسی کیا بات ہو گئی ؟ آپ کو اگر معلوم ہے تو ضرور بتائیے
جی ۔ وہ ۔ "
پرنسپل صاحب نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے کہا ۔
معلوم ہوتا ہے تم نے کوئی حرکت کی ہے ؟
جی ۔ جی نہیں ۔ بھلا میں کیا کر سکتا ہوں ؟
میں کبھی نہیں مان سکتا ۔ ضرور تمہاری شرارت ہے "
جی ۔ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا ۔
میں تمہاری نس نس سے واقف ہوں سمجھے ۔
جی ہاں ۔"
جج صاحب نے بات کاٹی ۔
ایسے ہی کوئی کام ہو گیا ہوگا ۔
فرید نے فوراً کہا "
جی ہاں وہ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ پندرہ دن کے لئے پونہ جانے والا ہوں
پرنسپل صاحب نے کہا ۔
اچھا خیر ۔ وہ تو یوں نہیں آئے ۔ لیکن رضیہ کیوں نہیں آئی ۔ ؟
" جی ۔ وہ ان کا بھی ارادہ تھا ۔
" کیا ارادہ تھا ۔ ؟ پرنسپل صاحب نے ڈانٹ کر کہا ۔
پونہ جانے کا ۔"

اس کا مطلب ہے تمہیں سب کچھ معلوم ہے۔"
جی نہیں۔ بس یہی معلوم ہے کہ دونوں پونہ جا رہے ہیں۔
آخر ان دونوں کے جانے کا سبب کیا ہے۔؟
"جی وہ — میں کیا بتاؤں۔ آپ خود عقلمند ہیں۔
جج صاحب نے حیرت سے کہا۔
کیا مطلب ؟"
پرنسپل صاحب نے کہا۔
مطلب یہ کہ سب کچھ ان کی شرارت سے ہوا ہے۔"
جج صاحب نے کہا۔
" یہ رضیہ کہاں کی رہنے والی ہیں۔؟ اور ان کا اس جگہ سے کیا تعلق ہے؟
پرنسپل صاحب نے کہا۔
" یہ لڑکی کانپور کی رہنے والی ہے۔ والدین کا چونکہ بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ اس لئے اپنے خالا کے پاس پرورش پائی ہے۔ اور ان کے پاس ہی رہتی ہے اس کے خالو چونکہ فلمی صنعت سے متعلق ہیں اس لئے۔ اس لڑکی کی پرورش آزاد ماحول میں ہوئی ہے دوسرے اس کو اداکاری کا بھی شوق ہے۔ لیکن آوارہ نہیں تھی۔ ورنہ میں فوراً کالج سے نکال دیتا؟"
فرید نے بغیر سوچے سمجھے کہا۔
یہی تو آپ کا خیال ہے۔ کہ وہ آوارہ نہیں؟"
پرنسپل صاحب نے ڈانٹ کر کہا۔

"بکو مت"

آپ میرا مقصد تو سمجھے"

میں سب سمجھ چکا ہوں۔ یہ سارا پلان تمہاری وجہ سے مرتب ہوا؟"

" جی "

جی کیا۔ یہی بات جو آج کہہ رہے ہو کل بھی کہہ سکتے تھے تو میں اس کا جواب رک کر دیتا۔ لیکن تمہاری شرارت تھی اس لئے خاموش رہے"

جج صاحب نے کہا۔

ممکن ہے انہیں بعد میں علم ہوا ہو۔

فرید نے فوراً کہا۔

جی ہاں۔ بالکل بالکل۔ بعد میں"

پرنسپل صاحب بولے۔

غالباً فرشتے آکر کہہ گئے ہونگے۔

وہ کچھ اور بھی کہتے کہ شمس اور میری نے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے فرید کو وہاں سے اٹھا کر علیحدہ لے گئے۔ تاکہ مفصل حالات کا علم ہو سکے۔

✤

بنگلہ کے مغربی حصہ کی طرف بالکل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس لئے میری، شمس اور فرید تینوں وہیں چلے گئے اس دوران میں شمس نے فرید سے کوئی سوال نہیں کیا۔ بلکہ صرف اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھتے رہے اور میری اس کے چہرے پر ٹھہری ہوئی سرخیاں پڑھتی رہی۔

چند لمحہ تک اسی طرح خاموش بیٹھے رہنے کے بعد شمس نے پوچھا۔

اس واقعہ کے بارے میں تمہیں جو کچھ معلوم ہے بتا دو۔ ورنہ کیا فائدہ ہوگا۔ جو کسی مصیبت میں پھنس گئے؛

آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟

زیادہ باتیں بنانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اصل حالات مجھے بتا دو۔

، لیکن؛

آخر تمہیں پس و پیش کیوں ہے۔ ؟

مجھے تو کوئی پس و پیش نہیں ہے۔

تو پھر بتاؤ؛

بہت اچھا حضور سنئے۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ رضیہ اور مسٹر جون اس غلط

فہمی میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ آپ... اور آپ... سمجھ گئے نا؟ میرا مطلب؟
میں سمجھ گیا۔ تم کہتے رہو؟
" ہاں تو آپ اور آپ دونوں عشق فرمانے لگے ہیں۔ یہ خیال ان کے دل میں کیوں پیدا ہوا یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ البتہ انہوں نے مجھے بے وقوف سمجھتے ہوئے۔ آپ دونوں کے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جب مجھے کچھ معلوم ہی نہیں تھا تو کیا کہتا۔ اس لئے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر وہ دونوں ایک دوسرے سے عشق کرتے ہیں۔ تو آپ دونوں بھی ایک دوسرے کے ہو جائیے۔ یہ بات ان کو ناگوار گذری۔ اور آنا جانا بند کر دیا۔ اب اس میں میرا کیا قصور ہے۔ تم خود ہی فیصلہ کر لو۔
" تو پھر یہ بات وہیں پر ہی کہہ دیتے؟"
تم بھی کمال کرتے ہو؟
میری نے ہر بات پر غور کرتے ہوئے کہا
تم نے ٹھیک کہا۔ اور حقیقت تو یہ ہے مسٹر شمس مجھے اس شخص کا آنا ناگوار گذرتا تھا۔ لیکن ڈیڈی کی وجہ سے مجبور تھی۔ اس لئے کچھ نہیں کہہ سکی۔ مگر مجھے رضیہ پر تعجب ہے۔ کہ وہ کیوں بلاوجہ اس کی ہم خیال بن گئی۔
فرید نے لقمہ دیا۔
بھلا یہ بھی کوئی ایسی بات ہے جو سمجھ میں نہ آسکے یعنی جس طرح مسٹر جون آپ کے ہیں۔ اسی طرح مس رضیہ میرے محترم دوست کی ہے

اچھا۔ اچھا تو یہ معاملہ ہے۔

جی ہاں۔ اسی لئے تو میں نے کہہ دیا کہ خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے
دیوانے دو۔"

میری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

آپ نے معقول جواب دیا۔

شمس جی بولے۔

ان معاملات میں تو یہ بہت تیز ہیں۔"

فرید نے کہا:

لیکن ایک بات ہے۔

میری نے فوراً کہا۔

وہ کیا؟"

یعنی ان کے خیال سے مجھے بھی اتفاق ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ عادت خصلت۔ صورت سیرت کے ساتھ اگر آپ
دونوں جنم جنم کے ساتھی ہو جائیں ... تو سمجھ [illegible]"

شمس نے ڈانٹا:

کیا بدتمیزی ہے فرید:

لیکن میری تو شرم کے آنچل سے لپٹ چکی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر
کیف آگیں تبسم رقص کرنے لگا تھا۔ نگاہیں جب [illegible] کو بہکا اور آخری

آرزو کے حسین خوابوں کا دھندلا سا خاکہ ہی دیکھ کر سر در چھلکانے پر مجبور ہو گئیں تھیں۔

اور وہ اس طرح خاموش تھی۔ جیسے یہ اس کی دلی خواہش تھی۔ جس کی ترجمانی فرید کی بیباک زبان نے کر دی۔

تینوں خاموش تھے۔ لیکن فرید اور شمس کی نگاہیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔

فرید نے پھر کہا:

"مس صاحبہ! اگر آپ کو میری دلی خواہش ناگوار گذری تو معاف کر دیجئے۔ نہیں تو ——— یہ شمس مجھے جلا کر راکھ کر دے گا۔

اس بات پر دونوں کو ہنسی آ گئی۔

فرید کی بات کا جواب دئے بغیر ہی دونوں وہاں سے اٹھ کر پھر اس طرف چل دئے۔ جہاں جج صاحب اور پرنسپل صاحب کے ساتھ ڈرامے میں حصہ لینے والے دیگر لڑکے اور لڑکیاں بیٹھی تھیں۔

***

مسٹر جون کو میری کے یہاں گئے ہوئے پندرہ یوم گذر چکے تھے رضیہ ہر روز ان کے پاس آیا کرتی تھی۔ جن کو بقول فرید کے "خوب گزرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو" کے بموجب وہ اپنے جذبات کا شکار بنانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔

کیونکہ رضیہ جیسی رومان پرور لڑکی کا ایسے خود پرست انسان کے قبضہ سے بچ کر نکل جانا بہت ہی مشکل تھا۔ جس کی زندگی کا مقصد۔ دولت اور عیش ہو۔ وہ اپنے لئے ہر طرح راستہ ہموار کر لیا کرتا ہے۔ لیکن اب رضیہ کی زندگی تاریک تھی۔ اس کے خیالات جون کے مرید ہو چکے تھے لیکن شمس کی یاد کا۔ ایک ٹمٹماتا ہوا دیا ابھی تک اس کے دل میں لو دیئے جا رہا تھا۔ جس کی دھندلی روشنی میں وہ انتقام کے سوا اور کچھ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اور اس جذبہ کی خاطر وہ جون کے دھوکے میں آ گئی۔

اس کا خیال تھا کہ وہ ایک کمزور عورت ہے۔ جو کبھی اور کسی حالت میں شمس سے اپنی محبت کی توہین کا بدلہ نہیں لے سکتی اس لئے اسے جون کی مدد کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کے پاس دولت وعزت اور شہرت

غرضیکہ سبھی کچھ موجود ہے۔ اس کے علاوہ اس کے دل میں میری سے انتقام لینے کا جذبہ بھی موجود ہے۔ اس لئے جس طرح بھی ہو اس کو اپنے چنگل میں پھانس کر اپنی توہین اور ناکامی کا بدلہ لے۔

یہ خیال تو اس نے قائم کر لیا لیکن یہ نہیں سوچا کہ وہ پھول سے زیادہ نازک ہے۔ ہوا سے زیادہ نرم اور لچکدار ہے۔ بال سے زیادہ کمزور ہے یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ — پھول اپنی ٹہنی سے ٹوٹ کر فوراً ابھی نہیں کملا جاتا ——— لیکن — ایک لڑکی اپنی اصلی روش سے ہٹتے ہی اپنی اصلیت کھو بیٹھتی ہے۔

اس کو اپنا سب کچھ لٹانے کے بعد بھی کوئی خیال نہیں آیا بلکہ یہی سمجھتی رہی کہ اب وہ بہت آسانی سے بدلہ لے سکے گی۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے اور مسٹر جون کے تعلقات دن بدن بڑھتے رہے اور زندگی گناہوں میں ڈھلتی رہی۔

ادھر یہ سلسلہ جاری تھا اور ادھر ڈرامے کے اسٹیج ہونے میں صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا — دن اور تاریخ کا چونکہ یقین ہو چکا تھا۔ اس لئے بڑے زور شور کے ساتھ پبلسٹی ہو رہی تھی۔ تاکہ عوام کا اشتیاق بڑھے اس لئے تمام حالات کا علم رضیہ اور مسٹر جون کو بھی تھا۔ لیکن جوں جوں یہ مدت کم ہو رہی تھی — ان کے صبر و ضبط کے پیمانے لبریز ہوتے جا رہے تھے۔

آخر کار ایک دن رضیہ کی نظریں اخبار کا مطالعہ کرتے کرتے اس خبر پر جم کر رہ گئیں۔ جو بڑے بڑے جلی حرفوں میں لکھا تھا۔

عشق و محبت کی ایک ناقابل فراموش کہانی

"چار آنکھیں"

کالج کے طلبار کی جانب سے بہت جلد آپ کی خدمت میں پیش کی جانے والی ہے۔ جس کا اچھوتا انداز آپ کو ہمیشہ یاد آتا رہے گا۔

جس کے مسحور کن نغمات آپ کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔

جس کی اداکاری آپ کے ذہن کی گہرائیوں پر اثر انداز ہو کر آپ کے خیالات کو محبت بھائی چارہ۔ انسانیت اور اخلاق کا گرویدہ بنا دے گی۔

جس کی ہیروئن۔ حسین ساحرہ مس میری

خوبرو شمس

اور مسکراہٹوں کا دلدادہ فوتیلا اپنے ساتھ ایک قہقہوں کی دنیا لئے ہوئے آپ کے سامنے پیش ہوگا۔

اس لئے آج ہی ایڈوانس بکنگ کرا لیجئے۔ تاکہ وقت پر پریشانی کا سامنا نہ ہو۔ اور آپ بآسانی اس شاہکار ڈرامہ کو دیکھ سکیں۔

رضیہ نے یہ الفاظ بغور پڑھے۔ اور چند منٹ تک سوچنے کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ کر منہ ہاتھ دھونے چلی گئی۔ وہاں سے آ کر جلدی جلدی اس نے ہلکا سا میک اپ کیا۔ اور سیدھی مسٹر جون کے بنگلہ پر جا پہنچی۔

اتفاق سے آج وہ گھر پر ہی تھے اس لئے رضیہ نے وہ اخبار ان کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا۔

یہ لیجئے۔ اپنی محترمہ کا کارنامہ دیکھ لیجئے۔ شاید آپ کو اب غیرت آجائے۔ کہ وہ لاکھوں نظروں کے سامنے شمس کی محبوبہ کا کردار ادا کرے گی

اور آپ یونہی بیٹھے دیکھتے رہیں گے، کاش آپ کی جگہ میں ہوتی۔
جون نے مسکراتے ہوئے کہا۔
تم کیا کر لیتیں۔؟
بہت کچھ۔ میں اب بھی بہت کچھ کر چکی ہوں۔ یہ آپ سوچ لیجئے۔"
"کچھ سوچ کر ہی میں نے تمہیں اپنا بنایا ہے۔"
بس باتیں بنانا تو کوئی آپ سے سیکھ لے۔"
دل کی آواز تمہارے کانوں تک پہنچ رہی ہے رضیہ۔ تم تو عورت ہو جس کو محبت کی اہمیت کا اچھی طرح اندازہ ہوتا ہے۔ کہ یہ وہ جذبہ ہے جو حقارت میں تبدیل ہونے کے بعد پھر کبھی اپنی اصلی حالت میں نہیں آتا۔ اور اب جب تم اس کا جواب۔ میری ناکامیوں کا حسین گہوارہ بن کر مجھے مل گئی ہو تو پھر میں اپنے دل کو اس ناپاک شئے کے لئے کیوں بے چین کروں جس نے مذہب کی پرواہ نہیں کی اصول کا خیال نہیں کیا بھلا وہ میری یا کسی اور کی بھی بن سکتی ہے۔؟
رضیہ نے بات کاٹی۔
یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن تم کیسے انسان ہو کہ تمہیں اپنی توہین کا بھی احساس نہیں ہے۔ جبکہ میں عورت ہو کر وہ خطرناک سے خطرناک کھیل کھیلنے کو تیار ہوں۔ جس میں ایک بار ڈوبنے کے بعد زندگی پھر کبھی نہیں ابھرتی۔
مجھے اب کسی کھیل کی ضرورت نہیں ہے تم سے اچھا کھیلنا اور کیا ہو سکتا ہے۔ بس اب تو مجھے ہر وقت تمہاری آرزو ہے۔ تمہاری تمنا ہے۔

پھر وہی۔ میں پوچھتی ہوں۔ آخر آپ کو ہو کیا گیا ہے۔؟

تم سے محبت۔!

میں تو آپ کی ہو چکی۔

تو پھر غم کس بات کا ہے؟

اپنی توہین کا۔ میں شمس سے ضرور بدلہ لوں گی؛ خواہ آپ میرا ساتھ دیں یا نہیں۔ لیکن میرے ہوتے ہوئے وہ میری کو نہیں پا سکتے۔ میں کبھی ان دونوں کو نہیں ملنے دوں گی۔ اور اگر اس کوشش میں مجھے ناکامی ہوئی تو جان دیدوں گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے؛

جون نے مسکراتے ہوئے کہا۔

نادان ہو۔ رضیہ تم؛

وہ کیسے۔؟"

شمس کو میری سے جدا کرنے کے بعد تم مجھ سے دور ہو جاؤ گی۔ پھر میرا دل میری کی جدائی کیسے برداشت کر سکے گا۔ اور جب وہ مجھے اس روپ میں نظر آئیگی تو تمہاری محبت کا کیا ہو گا۔ تمہاری زندگی کیسے گذرے گی۔؟

رضیہ نے بات کاٹی۔

اس کی فکر نہ کرو عورت زندگی میں ایک ہی بار کسی کا ہاتھ پکڑتی ہے شمس میری وہ محبت ہے جس کو میں ہار چکی۔ آپ میرا وہ سہارا ہیں جس کو پا کر میں بھنور سے نکلی۔ کناروں کو پایا۔ زندگی دیکھی۔ یہ داؤ میرے لئے بہت حسین ہے میں اس میں بہت خوش ہوں۔ لیکن اپنی ناکامی کو بھی نہیں

بھول سکتی۔"

جون نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ڈارلنگ زندگی نام ہے" مرمر کے جیئے جانے کا"

رضیہ تنگ ہوکر بولی۔

اگر آپ میرا ساتھ نہیں دے سکتے تو صاف انکار کر دیجئے"

انکار ۔۔ اور وہ بھی تم سے ؟"

جب آپ کو اپنی ذلت کا خیال نہیں ہے تو پھر میں کیا چیز ہوں۔

تم زندگی ہو ڈارلنگ۔ زندگی محبت کا جیتا جاگتا ثبوت۔ ایثار کا حسین شاہکار" جس نے میری اداسیوں میں زندگی کی نئی روح پھونک دی۔ جس نے تڑپتی ہوئی آرزوؤں کو گلے لگا لیا۔ سکون کی نیند سلا دیا۔ بھلا اپنے ایسے محسن سے انکار کر سکتا ہوں۔ کبھی نہیں تمہارے لئے تو میری جان بھی حاضر ہے لیکن ایک وعدہ کرو۔"

کیا اب بھی وعدوں کی ضرورت ہے۔ ؟"

مجھے تم پر اعتماد ہے۔ لیکن دل وعدوں کے حسین سہاروں پر زندگی گذارنے کا عادی ہو چکا ہے۔ اس کو تمہارے لفظوں کی ضرورت ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ تصورات کے آشیاں بناتا رہے۔ خیالی بہاروں سے کھیلتا رہے۔

گلچیں چمن میں پہنچ کر خیالی چمن کی آرزو۔؟

تم نہیں جانتیں رضیہ۔ دل کی باتیں بہت نرالی ہوتی ہیں محبت کے خواب بہت مسرور کن ہوتے ہیں۔ آؤ۔ میرے قریب آؤ۔ آج تم سے آخری

وعدہ لوں گا۔

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔؟

دل کی آواز ہے رضیہ۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔"

انتقام نے مجھے بہرہ کر دیا ہے تو ہین نے میری آنکھوں پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اس کو آپ نہیں سمجھ سکتے تو مجھے جانے دیجئے۔"

نہیں۔ تم اس طرح نہیں جا سکتیں۔

کیوں ؟"

میں تمہارا انتقام لوں گا۔ لیکن اس طرح نہیں جس طرح تم چاہتی ہو بلکہ ایک عجیب انداز میں۔ جس کے لئے تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہو گا۔

اگر آپ یہی چاہتے ہیں تو میں تیار ہوں۔ بولئے آپ کو کس طرح اطمینان ہو سکتا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ تم محبت کا مجسم ثبوت بن کر میرے ساتھ ان کے سامنے چلو۔ جو ہم دونوں کو حقیر سمجھ کر ٹھکرا چکے ہیں۔

جی۔ ؟

ہاں رضیہ۔ اس سے زیادہ بہتر انتقام تم کبھی نہیں لے سکتیں۔"

لیکن اس طرح میں بدنام ہو جاؤں گی۔

محبت بدنامی سے کبھی نہیں ڈرتی۔

اچھا میں تیار ہوں۔

اور ایک بات یہ بھی سمجھ لو کہ میں میری کو نیچا دکھاؤں گا اور تم شمس کے

ساتھ بھی ایسا ہی کرنا۔ لیکن مجھے غلط نہ سمجھنا وہ میرا انتقام ہوگا۔
اور تم میری زندگی بن چکی ہو۔ اس لئے مجھ سے دور مت ہونا۔
یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں۔؟
میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ رضیہ میرے الفاظ سمجھنے کی کوشش کرو۔"
میں سب سمجھ گئی۔ لیکن ایک وعدہ آپ بھی مجھ سے کریں۔"
بولو۔!
اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کے بعد آپ شادی مجھ ہی سے کریں گے میری صرف
داشتہ کی طرح آپ کے پاس رہے گی۔
مجھے منظور ہے لیکن اس کھیل کے دوران تم بدگمان مت ہو جانا۔
دل تو نہیں چاہتا کہ وہ آپ کے پاس رہے۔ لیکن خیر۔ میں اپنی توہین کا ندارک
اسی کو سمجھوں گی۔ مگر آپ اپنے وعدے سے نہ پھر جانا۔ ورنہ۔ پھر
ایسا نہ کہو ڈارلنگ۔"
یہ میرے دل کی آواز ہے۔"
یہ میں سمجھتا ہوں لیکن آنے والا وقت میرے الفاظ کی خود بخود تائید کر دیگا۔
یہ جملہ سن کر رضیہ لاجواب ہو گئی۔ اور جون کی فطرت نے اسکی عقل سے فائدہ اٹھانے کا منصوبہ تیار کر لیا۔
وہ بدستور بیٹھی اپنے مستقبل کا گہر امطالعہ کر رہی تھی کہ جون کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔
"کیا سوچ رہی ہو۔؟ کچھ نہیں ـــ اس نے چونک کر کہا۔
تو پھر اٹھو۔ ہم آج ہی سے اپنا کام شروع کر دیں۔"
اچھا۔
اس نے کہا۔ اور جون کے ساتھ۔ جج صاحب کے بنگلہ کی طرف روانہ ہو گئی۔

شام کو چار بجے جب رضیہ اور جون جج صاحب کے بنگلہ پر پہنچے تو حسب دستور سب وہاں موجود تھے۔ اور ریہرسل ہو رہی تھی اس لئے وہ دونوں بھی بلا تکلف وہیں چلے گئے۔ جنہیں دیکھتے ہی میری پر خاموشی مسلط ہو گئی اور جج صاحب نے کہا

او ہو مسٹر جون۔ آج کیسے راستہ بھول گئے۔

جون نے مسکراتے ہوئے کہا۔

کیا عرض کروں ایک ضروری کام سے پونہ چلا گیا تھا۔

جی ہاں ؟ وہ تو مجھے معلوم ہے کہ آپ اور آپ پونہ گئے ہوئے تھے۔

جی ہاں ؟ جون نے حیرت سے کہا۔ کیونکہ انہوں نے بات بنائی تھی لیکن ان کے الفاظ نے فرید میاں کو صادق کر دیا۔ ورنہ پرنسپل صاحب ضرور ان سے بازپرس کرتے۔ اس حقیقت سے مسٹر جون بالکل ہی نا آشنا تھے اس لئے اچانک ان کے منہ سے وہ لفظ نکل گیا۔ پھر بھی خود کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

جی ہاں۔ میں تو بزنس کے سلسلہ میں گیا ہوا تھا۔ اور یہ اپنے رشتہ داروں سے ملنے گئی تھیں۔

فرید میاں نے اپنی فتح دیکھتے ہوئے کہا۔

جی ہاں۔ نئے رشتے عموماً باہر ہی ہوتے ہیں۔

کیا مطلب۔؟

مطلب یہ کہ وہاں جاتے ہی آپ کا بزنس ہو گیا۔ ان کا رشتہ۔ میرا مطلب ہے۔ رشتہ داروں سے میل ہو گیا۔ اور بہت ہی اچھا ہو گیا اسی لئے تو میں نے بھی عرض کیا تھا کہ خوب گذرے گی جو مل بیٹھیں گے دیوانے دو۔ مگر آپ کو یہ الفاظ ناگوار گذرے تھے۔ لیکن ہوا وہی جو اس خاکسار نے عرض کیا تھا۔"

جج صاحب نے بات کاٹی۔

آپ کو ان معاملات سے کیا تعلق۔؟

فرید نے فوراً کہا۔

معاف فرمائیے۔ دوستوں کی باتیں ایسی ہی ہوا کرتی ہیں۔ اگر مسٹر جون میرے دوست نہیں تو کیا ہوا۔ مس رضیہ سے تو بہت دن ساتھ رہے ہیں۔

جون نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اب آپ مجھے بھی اپنا دوست ہی تصور کیجئے۔

بھلا مجھے کیا انکار ہو سکتا ہے۔ کاش آپ کا اور آپ کی سوری۔ میرا مقصد ہے۔ مس صاحبہ کا دل یہاں کے حالات سے مطمئن ہو سکے۔"

رضیہ نے فوراً کہا۔

میں تو پہلے ہی مطمئن تھی۔ اور آج بھی اسی طرح ہوں؟

وہ کچھ اور بھی کہتی کہ پرنسپل صاحب آ گئے اور جون اور رضیہ کو دیکھ کر بولے۔

ہیلو مسٹر جون۔ کب آئے آپ پونہ سے ؟
جون یہاں بھی چکرائے۔ لیکن فوراً ہی سنبھلتے ہوئے بولے۔
بس دوپہر ہی آیا ہوں۔ اور دو چار دن میں پھر جانا ہے ؟
کیوں خیریت تو ہے ؟
جی ہاں۔ ویسے تو کوئی بات نہیں صرف بزنس کا معاملہ ہے۔
جی ہاں۔ جی ہاں۔ آپ کا تو کاروبار ہی ایسا ہے۔ خیر تم سناؤ۔ رضیہ۔
اچھی تو رہیں ؟
جی ہاں ؟
پونہ پسند آیا ؟
جی ہاں ؟
اب آئندہ کیا خیال ہے ؟
جی ۔ ؟ اس نے چونک کر سوالیہ نگاہوں سے پرنسپل صاحب کی طرف دیکھا
میں نے یہ پوچھا تعلیم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، آئندہ جاری رکھو گی
یا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ ؟
آپ کا سوال میری سمجھ سے بالا ہے۔
جج صاحب نے لقمہ دیا۔
میرا خیال ہے۔ یہ باتیں پھر بھی ہو سکتی ہیں۔ اس لئے پہلے کام کیا جائے ؟
آپ کی رائے سے مجھے اتفاق ہے ؟ مسٹر جون نے کہا۔
اور پرنسپل صاحب خاموش ہو گئے۔ لیکن رضیہ مارے شرم کے پانی

پانی ہوئی جارہی تھی ۔ اس کا دل احساس گناہ سے نادم ضرور تھا۔ لیکن شمس سے انتقام لینے کا حسین دھوکہ جو اس کو مسٹر جون نے دیا تھا اس کے آسرے پر وہ دنیا کی ہر بدنامی کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو چکی تھی۔

لیکن مشرقی عورت کی فطرت کو وہ نظر انداز نہیں کر سکی۔ اس لئے حیا نے اس کے خیالات کو اس مرکز پر قائم کر دیا جس کے ذریعہ مسٹر جون اس پر فتح حاصل کر کے آج خندہ زن نظر آرہے تھے۔

وہ ان خیالات میں گم تھی۔ اور جون۔ میری کے ساتھ شمس کی اداکاری کے علاوہ ان الفاظ کو سن کر سلگ رہے تھے جو دو دلوں کے درمیان محبت کی انتہا کو پانے کے لئے جنم لیتے ہیں۔"

حالانکہ وہ اداکاری محض اداکاری تھی لیکن مسٹر جون کا دل میری اور شمس کی زبان سے نکلنے والے الفاظ کو سننے سے گریز کر رہا تھا۔ جس کی ترجمانی ان کے تیور کر رہے تھے۔ اور جب ضبط نہیں ہو سکا۔ تو رضیہ کو ساتھ لے کر وہاں سے چلے گئے۔

ٹائم چونکہ ختم ہو چکا تھا اس لئے ریہرسل بھی ختم کر دی گئی۔ اور سب آکر لان میں بیٹھ گئے۔ تو چائے کا ایک دور شروع ہونے سے پہلے پرنسپل صاحب نے کہا۔

مجھے اس لڑکی پر بڑا افسوس ہوتا ہے۔ اس عمر میں اپنی زندگی تباہ کر کے آئندہ کسی قابل نہ رہی۔

جج صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

آپ کو افسوس ہے اور مجھے خوشی۔"

خوشی۔"

جی ہاں!"

"وہ کیوں؟ - پرنسپل صاحب نے اپنا جملہ ختم کرتے ہی سوالیہ نگاہیں نقوی صاحب پر مرکوز کر دیں۔

اور وہ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد ایک ٹھنڈی سانس فضا میں بکھیرتے ہوئے بولے۔

کیا عرض کروں - گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل" والی مثال ہے لیکن اب تو حالات بگڑ ہی چکے ہیں۔ اور اچھا ہوا کہ پوشیدہ معاملات بہت جلد منظر عام پر آ گئے - ورنہ میں کافی عرصہ سے اس بات کا متلاشی تھا کہ کسی طرح ان کے سوال کو رد کر دوں مگر کوئی معقول جواز نہیں تھا۔ اس لئے خاموشی اختیار کئے رہا"

پرنسپل صاحب نے بغور سنتے ہوئے کہا۔

کیا مس مہرتی کی بابت ان کا خیال تھا!؟

جی ہاں۔"

بہت اچھا ہوا۔ آپ نے کوئی جواب نہیں دیا ورنہ زندگی بھر کا رونا ہو جاتا۔"

اس کے علاوہ ایک اور بات بھی ہے ورنہ یہ رشتہ بہت پہلے ہی وجود میں آ چکا ہوتا

وہ کونسی بات ہے؟"

ایسے ہی کچھ معاملے ہے وقت آنے پر بتا دوں گا۔

پرنسپل صاحب اور جج صاحب اس قسم کی گفتگو میں مصروف تھے۔ کہ
نیرجا اپنی شادی کا ذکر سنتے ہی وہاں سے اٹھ گئی جس کے ساتھ فریدا اور شمس
بھی اٹھے کیونکہ اس نے خود ہی چلنے کا اشارہ کیا تھا۔
لیکن جیسے ہی پرنسپل صاحب نے ان کو جاتے دیکھا فوراً بولے "
آپ دونوں کہاں چل دیئے۔؟"
فرید نے برجستہ کہا۔
ہم دونوں صبح سے آئے ہوئے ہیں۔ اب ہوسٹل جانے کا خیال ہے۔"
جج صاحب نے کہا۔
چلے جانا۔ آخر ایسی کیا جلدی ہے۔
فرید بولے۔
جلدی تو کچھ بھی نہیں ہے لیکن شمس صاحب کے سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔"
جج صاحب چونک کر بولے۔
اچھا۔ تو پھر میری کے ساتھ جاکر دوا پی لیجئے۔ جاؤ بیٹی انہیں دوا بالاخانہ
اور یہاں جب تک درد رفع نہ ہو جائے۔ وہیں آرام کرنا"
شمس چونک کر بولے۔
اس تکلیف کی کیا ضرورت ہے اب ہوسٹل جاکر آرام کر لوں گا۔
ہوسٹل اطمینان سے جانا۔ ابھی تم سے کچھ باتیں بھی کرنی ہیں جاؤ میری
کے ساتھ جاکر دوا پی لو"
اور مجبوراً شمس کو میری کے ساتھ جانا پڑا۔

جب وہ دونوں وہاں سے چلنے لگے تو فرید میاں بھی مڑے تو پرنسپل صاحب نے کہا۔

"آپ کہاں چل دیئے۔"

"جی میں ؟"

"جی ہاں آپ ؟"

"جی۔ وہ ۔ درد تو میرے سر میں بھی ہو رہا ہے۔"

"اچھا تو آپ تشریف رکھیں۔ دوا ابھی منگا دی جائے گی۔"

"جی بہت اچھا۔" کہہ کر وہ لوٹے تو جج صاحب نے کہا۔
"آپ کا اگر دل چاہ رہا ہے کہ ان کے ساتھ رہیں۔ تو جائیے۔"

"جی ہاں ۔ ابھی آجاؤں گا۔"

"اچھا۔ تو جائیے۔"

اور اس طرح فرید میاں بھی وہاں سے آزاد ہو گئے تو پرنسپل صاحب اور جج صاحب کے درمیان مختلف امور پر باتیں شروع ہو گئیں۔ کیونکہ اب کوئی ایسا شخص موجود نہیں تھا جس سے پردہ پوشی کی جاتی۔ ان سب کے بیچ ہی جج صاحب نے مسٹر جون کے تمام حالات پرنسپل صاحب کو سنانے شروع کر دیئے۔

ادھر بھی اس قسم کا سلسلہ جاری تھا۔ اور اُدھر بھی یہی معاملہ سب کے ذہنوں میں گردش کر رہا تھا۔

فرید میاں بات بات پر قہقہوں کے طوفان برپا کر رہے تھے کہ ملازم نے جا کر کہا۔
"پرنسپل صاحب آپ کو یاد کرتے ہیں۔"

اور تینوں وہاں سے اٹھ کر پھر ادھر آ گئے تو پرنسپل صاحب شمس اللہ فرید
[illegible]

رات کے دس بجے کے قریب جب شمس اور فریدہ ہوسٹل پہنچے تو فرید
میاں نے تخلیہ غنیمت جانتے ہوئے کہا۔
دیکھا تم نے۔ کیا داؤ مارا۔ تمہارے یار نے مگر تم ہماری قدر ہی نہیں کرتے
مجھے ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔
تم تو پاگل ہو۔"
پاگل بھی یہی کہتا ہے کہ میں اپنی جگہ ٹھیک ہوں اور ساری دنیا پاگل ہے۔
اچھا تو جناب مجھے میری جگہ پر رہنے دیں۔ اور آپ سو جائیں۔
سو جائیں۔ کیوں سو جائیں۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔
پھر کیا کریں گے۔ آپ؟"
اوہو۔ مجھے کیا کرنا ہے۔ کرنا تو تمہیں ہے۔ ہاں جیسے جیسے میں بتاؤں
ویسے ہی ویسے چلو۔ سارا معاملہ سدھر جائے گا۔
کون سا معاملہ؟"
اوہو یہی میری والا۔ آج اس کی آنکھیں دیکھی تھیں۔ کتنا پیار تھا
ان میں تمہارے لئے۔ مگر افسوس کہ اس غریب کو یہ نہیں معلوم کہ آنجناب سے
محبت کرنا بھینس کے آگے بین بجانے کے مترادف ہے۔

میں عرض کر چکا ہے کہ مجھے یوں ہی رہنے دیجئے۔"

اور میں بھی کہہ چکا کہ اب یہ کبھی نہیں ہوگا۔ آخر اور کو دنیا تک آئے گا یہ تو بدا جوانی کا راز محبت میں ہے۔ اور تمہیں تو فوراً سجدہ شکر ادا کرنا چاہئے کہ ایک جج کی لڑکی تم سے محبت کرتی ہے۔ گوڈ فشم۔ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو اس کے پاؤں دبا دیتا۔ گوان مائی گے۔ اوہ سوری۔ کیا لفظ منہ سے نکل گیا۔ اس بیچ میں وہ کرزبان بھی تو بہکنے لگی۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا۔ اسی ڈار لنگ کے پیر دھو دھو کر پیتا۔ اس کی ہنسی پر ہنستا اس کی خوشی پر خوش ہوتا۔"

شمس نے لقمہ دیا۔

جو سبق آپ مجھے پڑھا رہے ہیں۔ وہ خود بھی پڑھ سکتے ہیں۔

لیکن وہ تو تمہاری آنکھوں سے محبت کا پیغام سننا چاہتی ہے۔"

شاید تم یہ نہیں جانتے کہ وہ جج کی لڑکی ہے۔ اور عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی ہے

اسی لئے تو کہتا ہوں عشق کا جال تان کے قانون کی چڑیا پکڑ یا پھنس لو۔"

یہ آج تمہیں سوجھی کیا ہے۔؟

وہی جو جوانی میں سب کو سوجھتا ہے۔

تو جو تمہارا دل چاہے کرو۔ میرے گلے عذاب ڈالنے سے کیا فائدہ؟"

وہ عذاب نہیں پیار ہے۔ محبت کی دیوی ہے۔

تو پوجا کرو۔ منع کس نے کیا ہے۔

تم نے۔

میری طرف سے تمہیں پوری اجازت ہے۔

تو پھر راستہ ہموار کروں۔ ؟"

ضرور۔"

دیکھو اپنے قول سے مت پھر جانا "

عجیب انسان ہو۔ آخر زبان ہی سے تو کہہ سکتا ہوں۔

زبانی بات کا مجھے کوئی اطمینان نہیں ہے۔ تھوڑا سا ساتھ بھی دینا ہوگا

ساتھ کس قسم کا ۔؟"

یہ پھر بتاؤں گا۔"

لیکن میں ابھی سننا چاہتا ہوں۔"

ایسی کوئی بات نہیں ہے سارا کام میں خود ہی کر لوں گا۔ صرف ایک کام تم کو کرنا ہوگا

وہ کیا کام ہے۔ ذرا اس کی بھی وضاحت فرما دیجئے۔"

بس یہی کہ سہرا تم باندھ لینا "

معاف فرمائیے۔ یہ بات میرے بس کی نہیں۔"

کیوں ۔؟ کیا زندگی بھر یونہی مکھیاں مارتے رہو گے۔

وہ مکھیاں مارتا ہوں۔ یا مچھر۔ لیکن اب میری زندگی میں کوئی لڑکی داخل نہیں ہو سکتی "

اس کی وجہ ۔ ؟"

تم جانتے ہو "

وحشت تیرے کی۔ ساری محبت کا ستیاناس کر دیا۔ اماں برخوردار جب وہ

اس دنیا میں ہی نہیں ہے تو تمہاری جوگ لینا بالکل بیکار ہے۔ اور اگر ایسے ہی مجاور

بننا چاہتے ہو۔ تو یہ کالج چھوڑ کر ایلورا کے غاروں میں چلے جاؤ۔"

"وقت آنے پر وہاں بھی چلا جاؤں گا۔"

"بس تو پھر جب تک وہ وقت نہیں آتا میری کو قمر کی جگہ دیدو۔ شاید اس کی محبت تمہارے دل سے ماضی کی تلخ روایت کو فراموش کر دے۔

"یہ بہت مشکل ہے۔ فریدہ۔"

"یہ مت بھولو کہ جب انسان ہمت سے کام لے تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔ اور ممکن ہے کہ قدرت نے قمر کو اس دنیا سے اٹھا کر میری کو اس کا جواب بنایا ہو۔"

"اس کا جواب؟"

"ہاں ہاں۔"

"ان باتوں کو چھوڑ دو فریدہ۔ وہ مجھ سے ملنے کے لئے اس دنیا سے نہیں گئی"

"جب یہ سمجھتے ہو کہ قمر تم سے ملنے کے لئے اس دنیا سے نہیں گئی۔ تو پھر میری کی محبت کو ٹھکرانے سے فائدہ؟ آخر اس کے سینہ میں بھی تو وہی دل ہے وہی دھڑکنیں ہیں۔ ہاں اگر فرق ہے تو یہ کہ ـــ وہ تمہیں بچپن کے دور میں چند لمحوں کے لئے ملی تھی ـــ اور یہ جوانی کے دور میں تمہارے قریب آ گئی ہے اور تم اس لئے ٹھکرانا چاہتے ہو کہ وہ تمہارے بچپن کی معصومیت سے دور ہے۔"

"انسان کی زندگی میں بعض لمحے ایسے بھی آتے ہیں۔ جن کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔"

"کیا تم بتا سکتے ہو۔ اس معصوم بچی میں کیا خصوصیت تھی اور اس جوانی میں کیا کمی ہے۔؟"

یہ مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے کہ اس معصوم بچی میں کیا خصوصیت تھی کتنی اچھائیاں تھیں۔ کتنی خوبیاں تھیں۔ لیکن یہ آج ایسی یاد ہے اور اچھی طرح یاد رہے گا کہ وہ میری منگیتر تھی۔ جس کے ساتھ کھیلتے وقت لڑا بھی کرتا تھا۔ اور اکثر اوقات ہم دونوں ایک دوسرے کو مار بھی لیا کرتے تھے مگر فوراً ہی کبھی وہ مجھے منا لیا کرتی تھی۔ یا میں اس کی منت کر لیا کرتا تھا اسی طرح زندگی کے آٹھ سال ہم دونوں نے مل کر طے کئے۔ اور آئندہ بھی شاید اسی روش پر گامزن رہتے۔ لیکن قسمت کو ہم دونوں کا یہ میل گوارا نہیں تھا۔ اس لئے وہ رات کی تاریکی میں ہمیشہ کے لئے مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ جس کی گڑیاں آج تک میرے پاس اس کی یاد دلانے کے لئے محفوظ ہیں۔ اور وہ مجھے یاد بھی ہے۔"

وہ تمہارے سامنے مری تھی۔

نہیں۔ سنا تھا۔ اور اس کے بعد پھر کبھی نہیں دیکھا۔

بس تو پھر مار دیا ہا تھ ۔ یہ وہی لڑکی ہے۔

پاگل ہوئے ہو۔ وہ اگر زندہ ہوتی تو اس آدھی جاگیر کی مالک ہوتی جو آج کل ابا حضور کے قبضہ میں ہے۔

ممکن ہے تمہارے ابا حضور نے اس کو رات میں غائب کر کے یہ خبر اڑا دی ہو کہ وہ مر گئی۔"

نہیں۔ میں نے صبح اٹھتے ہی اس کی قبر دیکھی تھی۔

قبر کا بنانا کونسی بڑی بات ہے۔ جہاں تھوڑی سی مٹی ڈال دی وہیں ایک

بچہ کی قبر بن گئی۔

ایسی تو بہت سی دلیلیں موجود ہیں۔ لیکن گھر کے ملازم اگر اس وقت کچھ نہیں کہہ سکتے تھے تو بعد میں تو ضرور کہتے۔

اب تم یقین نہ کرو۔ لیکن میں تو یہی کہوں گا کہ یہ وہی لڑکی ہے۔ اگر تم رضیہ کے لئے کہتے تو میں یقین بھی کر لیتا۔ کیونکہ اس کے ماں باپ دونوں مر چکے ہیں۔ لیکن ایک عیسائی جج کی لڑکی۔ مگر کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ اگر پناہ بھی لیتی تو کسی مسلمان کے گھر میں اور وہ گھر بھی کسی غریب کا ہوتا۔ تاکہ وہ کھلے بندوں بے پردہ نہ گھوم سکتی تھی۔ جس سے یہ شبہ ہوتا کہ یہ وہ لڑکی ہے جس کی جائداد پر قبضہ کرنے کے لئے۔ اس کے مرنے کی خبر اڑائی تھی

فریدہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

اور یہ تو میں بھی بھول ہی گیا تھا کہ اس کے ڈیڈی حیات ہیں لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ جب دو دل راضی تو کیا کرے گا قاضی۔ مگر یہاں تو یک طرفہ ڈگری ہو رہی ہے۔ کچھ تو خیال کرو۔ اگر میرا نہیں تو اس بت کافر کا سہی۔ جس کی سنجیدگی کو آنجناب اس کے غرور پر محمول کرتے تھے۔ لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ وہ مغرور نہیں ہے۔ دور اندیش ہے۔ ورنہ رضیہ کی طرح نہ جانے کب کی مسٹر جون کے خونی بازوؤں میں آچکی ہوتی۔

یہ درست ہے۔ لیکن میں اپنے دل سے مجبور ہوں۔ دوسرے بقول تمہارے وہ دور اندیش ہے اس لئے جون کے قبضہ میں نہ آسکی۔ ایسی حالت میں تم خود ہی غور کرو۔ میں کیسے کچھ کہہ سکتا ہوں۔"

اس کی تم فکر نہ کرو۔ میں تمہارے لئے تمام راستے ہموار کر لوں گا۔
نہیں فرید۔ میں نہیں چاہتا کہ اب کوئی لڑکی میری زندگی میں داخل ہو
میرے سینے میں اب وہ دل نہیں ہے جو کسی سے محبت کر سکے۔ میرے پاس وہ آرزوئیں نہیں جو کسی کی جوانی سے کھیل سکے۔ اس لئے تمہارا ہر فعل غلط ہوگا۔ میں کسی کو آسرا دینا نہیں چاہتا۔ خواہ۔ اس میں تم ہو۔ یا کوئی اور۔
اگر اس طرح تمہاری قمر تمہیں مل جائے۔ تو چلو میں ابھی تمہارے ساتھ کسی جنگل میں بیٹھ کر ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھرنے کو تیار ہوں۔
جانے والے کبھی لوٹ کر نہیں آتے فرید۔
بس تو پھر اس کی محبت اپنی جگہ ہے۔ دنیاداری اپنی جگہ۔
مجھے ان بزا ورلڈ باتوں سے نفرت ہے۔
حضور کو الفت ہی کس بات سے ہے۔
جب تم یہ سمجھتے ہو تو پھر اس غریب کی زندگی تباہ کرنے سے کیا حاصل؟
اور جناب کو اس زندگی بھر رونے سے کیا حاصل ہوگا۔؟
کچھ نہیں۔ یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ لیکن۔
لیکن ویکن کچھ نہیں۔ بس یوں کہو کہ اکیلے رہتے رہتے۔ اُلّو کی خاصیت پیدا ہو گئی ہے۔
یوں ہی سمجھ لو۔
سمجھنے والی خود سمجھ لے گی۔ پھر مجھے کیا ضرورت پڑی ہے
تمہید تو تم اٹھا رہے ہو۔

اس لئے کہ وہ تم سے دلچسپی رکھتی ہے۔

یہ اس کا فعل ہے۔ میرا نہیں۔ جو تم مجھے مجبور کر رہے ہو۔

یہ درست ہے لیکن کیا آپ مجھے بتا سکتے ہیں کہ اس میں کیا عیب ہے جس کی وجہ سے حضور انکار کر رہے ہیں۔

اس میں کوئی عیب نہیں ہے لیکن میری مرضی۔

اس طرح تمہاری مرضی کبھی ہرگز نہیں چل سکے گی۔

واہ یہ بھی کوئی دھونس ہے تمہاری۔

جی ہاں۔ یقینی طور پر یہ میری دھونس ہے۔

شاید تم نے یہ نہیں سوچا کہ اس کے اور میرے درمیان کس قدر اختلافات حائل ہیں۔

یہ مجھ پر چھوڑ دو۔

تم پر کیسے چھوڑ دوں جبکہ مجھے معلوم ہے کہ وہ عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔

ارے ہاں۔ یہ تو میں بھول ہی گیا۔ لیکن اس سے کیا ہوتا ہے۔ سینکڑوں عیسائی لڑکیاں مسلمانوں کے ساتھ زندگی گذار رہی ہیں۔

وہ خوشی کا سودا ہوتا ہے۔

تو یہاں بھی کوا غوا نہیں کرے گا۔

لیکن نجج صاحب۔

فرید نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

تمہیں ان باتوں سے کیا مطلب۔ تم تو بس اقرار کر لو۔ باقی سب میں ٹھیک

کروں گا۔

معلوم ہوتا ہے جیل کا آب و دانہ زور کر رہا ہے "

" اوں۔ نہیں نہیں۔ ایسے الفاظ بھی مت ادا کرو۔ ورنہ میرا سارا پروگرام اپ سٹ ہو جائے گا۔"

اسی لیے تو کہتا ہوں۔ اس خبط کو دماغ سے نکال دو۔ ورنہ یہ اکیلی زندگی بھی دوبھر ہو جائے گی۔

اچھا بابا۔ اچھا۔ جو تمہارا دل چاہے کرو۔ وہ تو مجھے معلوم ہے کہ تم میرے کہنے پر کبھی عمل نہیں کر سکتے۔ لیکن میں ہی احمق ہوں جو تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں۔ بھلا اس میں مجھے کیا مل جاتا ہے۔ یا مل جائے گا۔ ہاں تم ضرور ایک عدد دوست کے مالک بن جاتے۔ جو ہماری بھابی ہوتی۔ مگر تمہیں یہ کب گوارہ ہے کہ ہم کسی کو بھابی کہیں۔ یا کوئی ہماری بھابی بنے۔ اتفاق تو بہت دیکھے۔ لیکن تمہاری طرح شاید ہی کوئی ہو۔ بھلا بتائیے تو جناب محبت کرتے ہیں۔ اس سے جس کا وجود ہی دنیا سے ہمیشہ کے لئے اٹھ گیا ہو۔ مردوں سے پیار کرتے ہیں جناب۔ بھوتوں سے عشق ہے حضرت کو۔"

بس تمہیں تو ایک بات مل جائے۔"

شاید اسی خوف سے جناب روحوں کے گرویدہ ہو گئے ہیں "

تم تو بے وقوف ہو۔"

جی ہاں۔ حضور کی طرح عقلمند۔ خدا کبھی نہ کرے "

معاملے کے ہر پہلو پہ نظر رکھ کے بات کرو۔"

بہت اچھا، غلطی ہو گئی۔ اب کبھی نہیں کہوں گا کہ اپنا گھر بسالو۔ سمجھے ؟"
فرید میاں کچھ اور بھی کہتے کہ گھڑی نے بارہ بجائے تو شمس نے کہا۔
"بارہ بج گئے جناب۔ میرے خیال میں اب کل کے لئے رہنے دیجئے
ورنہ صبح پھر کالج کو دیر ہو جائے گی"
"بہت اچھا۔ بھلا آپ کے حکم کی تعمیل نہیں کروں گا تو رہوں گا۔
لیجئے میں خاموش ہوں"
اس بات کا شمس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس لئے دونوں تھوڑی
دیر خاموش رہنے کے بعد خواب غفلت سے ہم کنار ہو گئے۔

⁂

دوسرے دن فریدمیاں کی آنکھ صبح سویرے ہی کھل گئی۔ وہ باہر جانے کے لئے اٹھ کر دروازے تک پہنچے تو اچانک ایک لفافہ پر ان کی نظر پڑی جس کو انہوں نے بہت لاپرواہی سے اٹھا کر یہ سمجھتے ہوئے میز پر ڈال دیا کہ یا تو ان کے والد کا خط ہے۔ یا شمس کے والد کا۔ چونکہ ان دونوں حضرات کے خط عموماً نصیحت سے پُر ہوا کرتے ہیں اس لئے فریدمیاں نے اس کو بغور دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی۔ اور غسل خانے کی طرف چلے گئے۔

ابھی غسل سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ شمس بھی اٹھ گئے اور اس طرح دونوں دوست جب اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر ناشتہ کی میز پر پہنچے تو فریدمیاں نے کہا۔

غالباً۔ تمہارے یا میرے والد بزرگوار کا شفقت نامہ آیا ہے۔"

کیا مطلب ؟

مطلب یہ کہ ہم دونوں میں سے کسی کے ابا کا خط آیا ہے۔"

کیا تم نے پڑھا نہیں۔ ؟

جی نہیں۔"

کیوں ؟"

اس لئے کہ سوائے چند مخصوص الفاظ کے اور اس میں ہوگا بھی کیا
یہی سوچتے ہوئے میں نے میز پر ڈال دیا ہے۔ کہ تم ہی اٹھ کر خود ہی پڑھ لیں گے۔

لیکن رات میں خط آنا کیا معنی۔!

موت بھی تو کہہ سن کر نہیں آتی"

پھر وہی بکواس شروع کر دی۔"

گھبراتے کیوں ہو۔ سوائے اس کے اور کچھ تحریر نہیں ہوگا۔ کہ دل لگا کر پڑھنا۔ تمہاری ذات سے ہماری بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پردیس میں رہ کر اپنے مستقبل کو فراموش کر دو جس پر تمہاری ہی نہیں سارے خاندان کی زندگی کا دارومدار ہے وغیرہ وغیرہ۔ اس لئے اب آپ ہی زحمت فرمائیے۔

جی ہاں میں تو پڑھ ہی لوں گا"

وہ یہ کہتے ہوئے اٹھے اور دوسرے کمرے کی میز پر رکھا ہوا خط اٹھا کر پھر اسی طرف آ گئے۔ تو فرید نے کہا۔

کہئے وہی لکھا ہے۔ جو میں نے کہا تھا۔

اور شمس نے اس بات کا جواب دیئے بغیر لفافہ کھول کر خط پڑھنا شروع کیا۔ جس کا مضمون حسب ذیل تھا۔

مسٹر شمس!

تم اس ڈرامے کی آڑ میں جو کھیل کھیلنا چاہتے ہو
وہ تمہارے خیال کے مطابق بہت حسین۔ اور دلچسپ ہے۔

لیکن ساتھ ہی خطرناک بھی ہے۔!

اس لئے میں تمہیں ایک مخلص دوست کی طرح یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اس خیال سے باز آجاؤ۔ ورنہ اگر ڈرامہ اسٹیج کیا گیا تو تمہارے ساتھ تمہاری محبوبہ کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی آگے تمہیں اختیار ہے ____

فقط

تمہارا خیر خواہ

خط پڑھتے ہی شمس سکتے کے عالم میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے کئی منٹ تک ان کا ذہن معاملہ کی اصلیت تک نہیں پہنچ سکا۔ کیونکہ وہ ڈرامہ کسی ذاتی مفاد کی غرض سے نہیں کھیلا جارہا تھا۔ دوسرے ان کی محبوبہ کا لفظ بھی ان کے لئے قابلِ غور تھا ــــ کہ آخر یہ مناسبت کس سے کی گئی ہے۔ کیونکہ وہیں وہاں کئی لڑکیاں آئی تھیں اور ان میں سے کوئی بھی ایسی نہیں تھی۔ جو ان کی نگاہوں میں سماکر اس مرتبہ تک پہنچی ہو۔ اس لئے وہ خاموش بیٹھے ہوئے اس پر اسرار خط کا اصل مطلب سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے کہ فرید میاں نے جب یہ رنگ دیکھا تو جھنجھلا کر بولے۔

بس کھو گئے۔ اسی لئے تو میں خط پڑھنا تو بڑی بات ہے ہاتھ سے چھونا بھی گوارہ نہیں کرتا ہوں۔

شمس نے چونک کر کہا۔

تمہارے پاس تو سوائے ان باتوں کے۔ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ جب

دیکھو۔ بس ایک سی رفتار۔"

تو کیا تمہاری طرح بیٹھ کر اونگھنے لگوں ؟"

یہ بھی تو غور کیا کرو۔ آخر وجہ کیا ہے۔"

وجہ۔" وجہ تو اس کو بتانا جو اپنے یا تمہارے والد کی عادت سے واقف نہ ہو"

پھر وہی عقلمند آدمی یہ خط والد کا نہیں۔ چچا کا ہے۔"

کیا مطلب ؟"

مطلب خود پڑھ کر سمجھ لو۔"

شمشی نے اپنا جملہ ختم کرتے ہی خط ان کے سامنے پھینک دیا۔ اور خود لفافہ کو الٹ پلٹ کر مہر کا جائزہ لینے لگے۔ مگر وہ اس قدر دھندلی تھی کہ پڑھنا بہت مشکل تھا۔ وہ ابھی تک اسی غور و فکر میں مبتلا تھے کہ فریدی نے چونک کر کہا۔

بس پیارے خیریت اسی میں ہے کہ بمبئی چھوڑ دیں۔

" وہ کس لئے ؟

" یہ مجھ سے پوچھ رہے ہو۔ کیا اس خط کے الفاظ نہیں پڑھے۔"

وہ تو سب کچھ پڑھ لیے۔ مگر بمبئی چھوڑنے سے کیا ہوگا۔"

ارے۔ ایک کھلا ہوا چیلنج تو مل گیا کہ اگر ڈرامہ کیا تو جان کی خیر نہیں ہے۔ اور کہتے ہو بمبئی کیوں چھوڑ دوں۔ ؟

ہاں۔ تم ہی بتاؤ یہاں سے کہیں اور چلے جانے پر کیا فائدہ ہوگا۔ اور یہاں رہنے میں کیا نقصان ہے۔ ؟

یعنی جناب ابھی تک نہیں سمجھے کہ یہاں رہنے میں جان کا خطرہ ہے۔

اور پیارے اگر جان ہے تو جہان ہے۔ اس لئے میرا مشورہ تو یہی ہے۔ کہ دس بجے والی ٹرین سے نو دو گیارہ ہو جاؤ۔ اب یہاں ٹھہرنا موت کو دعوت دینا ہے۔"

بس ہار گئے ہمت ؟"

مجھے بزدل ہی رہنے دو لیکن خدا کے لئے ؟

شمس نے بات کاٹی۔

عجیب ہونق انسان ہو۔ نہ یہ سوچا کہ میری محبوبہ کون ہے جس کی وجہ سے یہ ہدایت نامہ مجھے ملا ہے۔ نہ یہ غور کیا کہ بھیجنے والا کون ہو سکتا ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارا اس طرح جانا کیسے ہو سکتا ہے۔ جبکہ لاکھوں روپیہ ہماری اسکیم پر جمع کیا جا چکا ہے اور اگر تمہارے کہنے کے بموجب میں چلا بھی جاؤں تو کتنی زبردست بدنامی ہو گی ان باتوں پر غور کرو پھر ہم بھی اپنا پلان بنائیں۔

کہتے تو ٹھیک ہو۔ لیکن جان کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے اور وہ بھی اس شہر میں تو بس خدا ہی بچائے انسان کی حقیقت ہی کچھ نہیں ہے ؟

شمس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

دیکھو فرید ! اگر تم میرا ساتھ نہیں دے سکتے تو شوق سے جہاں دل چاہے جاؤ۔ لیکن میں اس باپ کا بیٹا نہیں جو موت سے ڈر کر بھاگ جاؤں۔

نہیں نہیں۔ میرا یہ مقصد تھوڑی ہی ہے کہ تمہیں چھوڑ کر چلا جاؤں یہ کیسے ممکن ہے۔ اگر یہ ممکن نہیں ہے تو پہلے اس بات پر غور کرو کہ یہ خط کون بھیج سکتا ہے

پھر یہ سوچو کہ اس نے میری محبوبہ کسے تصور کیا۔ اور ہمارا دشمن کون ہو سکتا ہے۔
دشمنوں کی بھلی چلائی سرمایہ داروں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا۔
اور سوچتے ہو۔ ہمارا دشمن کون ہو سکتا ہے؟ سوائے ان دولت کے پجاریوں
کے اور کس کو ہماری ذات سے تکلیف پہنچی ہے۔
ہوں۔ تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ یہ ان میں سے ہی کسی کی شرارت ہے۔
اچھا یہ بتاؤ۔ وہ کونسی لڑکی ہے جس کے لئے میری محبوبہ کا لفظ
استعمال کیا گیا ہے؟
میرے خیال میں تو کوئی بھی ایسی لڑکی نہیں ہے۔ جس سے میں میرا
مطلب ہے۔ اپنے تو نصیب میں ہی محبوبہ نہیں ہے۔ ہاں مگر تم بھی قریب
قریب ایسے ہی ہو۔ پھر یہ کیسے سمجھا جائے۔ کہ یہ کس کی طرف اشارہ ہے۔
اور ہو سکتا ہے۔ ویسے ہی لکھ دیا ہو۔"
جی نہیں یہ خط ہی اس لڑکی کی بدولت ہم تک آیا ہے۔
اچھا تو پھر تم ہی غور کرو۔"
میں نے خوب غور کر لیا۔
تمہارے خیال میں کون ہو سکتی ہے؟"
وہ میری ہے۔"
میری۔؟" یہ غلط ہے۔ وہ کبھی نہیں ہو سکتی۔ اور نہ کوئی اس کا ایسا دشمن ہے۔"
کیوں بھولتے ہو۔"
ارے ہاں۔ ٹھیک کہا۔ یہ اسی کی شرارت ہو سکتی ہے۔"

تمہیں میرے خیال سے اتفاق ہے۔
"بالکل۔ یہ حرکت اسی کی ہو سکتی ہے۔ مگر لفافہ پر ڈاک کی مہر بھی لگی ہوئی ہے اور یہاں رات کو یہ خط پھینکا گیا ہے آخر یہ کیا معمہ ہو سکتا ہے"
یہ تو کوئی اہم بات نہیں۔ روپیہ کے بل پر تو اِمر گیا ما کے ڈر سے بڑی آسانی سے کیئے جا سکتے ہیں۔
ہاں ٹھیک کہتے ہو۔ پھر اب کیا ارادہ ہے؟
پرنسپل صاحب سے مشورہ کرنا چاہیئے۔
میرے خیال میں تو جج صاحب زیادہ موزوں رہیں گے۔
جی نہیں۔ ان کے پاس ابھی جانا ٹھیک نہیں ہے۔ پہلے پرنسپل صاحب سے مشورہ کر لیں۔ پھر جیسے ان کی رائے ہوگی ویسا ہی کیا جائے گا۔"
پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔ ارے بھئی۔ جج صاحب ایک قانونی آدمی ہیں ان کی رائے ہر لحاظ سے افضل ہوگی "
لیکن یہ مت بھولو کہ یہ خط ان کی لڑکی کے بارے میں بھی ہے۔ اگر انہوں نے کوئی غلط رائے قائم کر لی تو سمجھ لو۔ کہ جگ بیتی پڑے گی "
اگر یہ بات ہے تو ان کو اس کی ہوا تک نہ لگنے دو"
یہ تو اس وقت سوچا جائے گا جب پرنسپل صاحب کچھ بتائیں گے۔
اچھا تو چلو۔ اب دیر کرنا ٹھیک نہیں۔"
ہاں چلو" شمس نے کہا۔ اور دونوں کالج روانہ ہو گئے۔

:·:

فرید اور شمسی جب کالج پہنچے تو معلوم ہوا کہ پرنسپل صاحب آئے ضرور تھے مگر فوراً ہی جج صاحب کے بنگلہ پر چلے گئے۔ یہ سنتے ہی دونوں نے ادھر کا رخ کیا اور تھوڑی ہی دیر میں جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ رات سے جج صاحب کی طبیعت زیادہ خراب ہے کئی بار ڈاکٹر دیکھنے کے لئے آچکا ہے مگر ابھی تک حالت اطمینان بخش نہیں ہے۔!

یہ بات ان کو ملازم کی زبانی معلوم ہوئی تھی اس لئے اس کی ہی رہنمائی میں جج صاحب کے کمرے تک پہنچ گئے وہاں پرنسپل صاحب بھی موجود تھے۔ اور میری افسردہ خاطر بیٹھی تھی۔ اس کے حسین نقش و نگار رات بھر جاگنے اور اپنے ڈیڈی کی اچانک اس حالت پر کمہلائے ہوئے پھول کی طرح نظر آرہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں ٹھہری ہوئی نیند کی سرخی۔ شام اودھ کا مقابلہ کر رہی تھی۔ اس کا دل نامعلوم خیالات کے جال میں الجھا ہوا تھا۔ کہ ڈاکٹر صاحب آگئے تو وہ کھڑی ہو گئی۔ اس کے دل نے چاہا کہ بھاگ کر ان سے لپٹ جائے اور رو رو کر اپنے ڈیڈی کی زندگی کے لئے پوچھے۔ ان کی منت کرے کہ وہ ابھی اس کے ڈیڈی کو جدا نہ ہونے دیں۔

مگر صبر و استقلال نے اس کے قدم پکڑ لئے۔ ضبط نے اس کے ارادوں کو پامال کر دیا اور وہ ساکت کھڑی رہی۔!

ڈاکٹر صاحب نے ایک بار پھر جج صاحب کا پوری طرح معائنہ کیا۔ دوا دی۔ انجکشن لگایا۔ اور چند منٹ تک خاموش بیٹھے ہوئے ان کی نبض کا مطالعہ کرتے رہے ان کا ذہن جج صاحب کی زندگی اور موت کا جائزہ لے رہا تھا کہ ایک لمبی سانس کے بعد انہوں نے آنکھوں آنکھیں کھول دیں۔ اور ڈاکٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا

مبارک ہو۔ مس میری۔ آپ کے ڈیڈی اب خطرے سے باہر ہیں۔

یہ سنتے ہی میری کی موٹی موٹی آنکھوں سے دو موتی ٹوٹ کر ڈاکٹر صاحب کے پیروں پر گر گئے اور اس کے بعد لاکھ کوشش کے باوجود وہ ان کا شکریہ نہ ادا کر سکی، مگر آنکھوں سے برسنے والے آنسو اس کے دل کی ترجمانی کر گئے اور اس کے بعد وہ لاکھ کوشش کے باوجود ان کا ٹپکنا نہ بند کر سکی۔

اس کا اندازہ ڈاکٹر صاحب کو بھی ہو گیا۔ اور وہ فوراً بولے۔

یہ کیا نادانی ہے مس صاحبہ۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہئے کہ آپ کے ڈیڈی خطرے سے بالکل باہر ہیں۔ صرف کمزوری باقی ہے۔ وہ بھی ایک دو یوم میں جاتی رہے گی۔

پرنسپل صاحب نے لقمہ دیا۔

ہاں میری۔ ڈاکٹر صاحب ٹھیک کہتے ہیں۔ اپنے آنسوؤں کو روکو۔ ورنہ جج صاحب کے دل پر اثر پڑے گا۔

وہ تمہیں اس طرح روتے دیکھ کر تڑپ جائیں گے اور ایسے مریض پر صدمے کا بار نقصان دہ ہوتا ہے۔

فریلے نے چونک کر کہا۔

سر عورتوں کے آنسو آنسو نہیں ہوتے۔"

ڈاکٹر صاحب فوراً بولے۔

یہ تو آج نئی بات معلوم ہوئی۔

فرید نے کہا۔

جی ہاں - آپ تو ڈاکٹر ہیں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ مجھ سے زیادہ تجربہ نہیں ہے - ورنہ ایسی بات نہیں کہتے - ایک نظر دیکھتے ہی سمجھ جاتے کہ یہ آنسو نہیں خوشی کے موتی ہیں - جو ٹوٹ ٹوٹ کر آپ کے قدموں پر اس لئے نچھاور ہو رہے ہیں کہ آپ نے ان کے ڈیڈی کی جان بچائی ہے۔

ڈاکٹر صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

جان بچانے والا تو خدا ہے لیکن ہاں معالج میں ہوں جس کے نتیجہ میں اللہ نے شفا عطا کی ہے۔

اللہ میاں نے تو حکم دیا ہوگا - مگر شفا تو دوا نے دی ہے۔"

اور اس بات پر سب کو ہنسی آگئی - جج صاحب بھی تمام گفتگو سن کر مسکرا رہے تھے کہ پرنسپل صاحب نے کہا۔

یوں تو بہت نالائق ہو مگر بعض اوقات ایسی بات کہہ دیتے ہو کہ ماحول ہی بدل جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے لقمہ دیا۔

مجھے اس بات سے اتفاق نہیں کہ یہ نالائق ہیں۔

ابھی آپ ان کے مکمل حالات سے واقف نہیں ہیں۔

پھر بھی - جو انسان ایسے ماحول کو بدل دے وہ ہر دل عزیز اور زندہ جاوید ہوتا ہے۔"

جج صاحب آہستہ سے بولے۔

بہت نہیں لکھ ہیں فرید میاں۔ جس محفل میں یہ موجود ہوں وہاں غور وفکر یا سنجیدہ غم بھول کر بھی گذرتے ؟

میری نے کہا۔

بعض حالات میں ایسے انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے مگر ڈھونڈے سے نہیں ملتے۔ اور یہاں تو خدا کے فضل سے یہ ہر وقت رہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

یہ بہت خوشی کی بات ہے۔ کہ فرید صاحب آپ کے ذہن پر بار بننے کے بجائے بار آنے تک نہیں دیتے۔

جج صاحب نے کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

" جی ہاں "

پرنسپل صاحب بولے۔

آپ ابھی زیادہ بات چیت نہ کریں تو مناسب ہے ؟

ڈاکٹر صاحب نے تائید کی۔

جی ہاں! اختلاج کے مریض کو زیادہ بات نہیں کرنا چاہیئے اس لئے آپ زیادہ تر خاموش رہا کیجئے۔ اور اگر ممکن ہو تو ایک دو یوم میں کسی صحت افزا مقام پر چلے جائیے۔ نہیں تو پھر طبیعت بگڑنے کا اندیشہ ہے۔

جج صاحب ایک ٹھنڈی سانس فضا میں بکھیرتے ہوئے بولے۔

یہ تو بجا ہے۔ لیکن میری کو کس پر چھوڑ جاؤں۔"

پرنسپل صاحب نے کہا۔

ان کی فکر نہ کریں۔ ہم لوگ یہاں موجود ہیں۔ اور پھر یہ خود بھی ماشاء اللہ ہوشیار ہیں؛
لیکن میرا دل تو نہیں چاہتا کہ انہیں اکیلا چھوڑ دوں۔"

یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ مسٹر جون اور رضیہ بھی آ گئیں۔ مگر چونکہ ان کو یہ معلوم نہیں تھا کہ جج صاحب کی حالت رات زیادہ خراب ہو گئی تھی اس نے آتے ہی بولے۔"

کہئے پرنسپل صاحب! آج ریہرسل نہیں ہو رہی ہے؛

جی ہاں ابھی تک تو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہاں اگر جج صاحب کی طبیعت ٹھیک ہو گئی تو شام کو ضرور ہو گی۔

مسٹر جون نے چونک کر کہا۔

کیوں؟ کیا ہوا انکل کو۔؟

رات سے اختلاج کے دورے پڑ رہے ہیں۔ اب تو حالت ٹھیک ہے؛

" ارے۔ پھر کیا ڈاکٹر کو نہیں بلایا۔؟

ڈاکٹر صاحب تو یہ بیٹھے ہیں۔"

اوہ معاف کرنا میں جناب سے متعارف نہیں تھا اس لئے نہیں پہچان سکا۔"

ڈاکٹر صاحب نے کہا۔

کوئی بات نہیں؛

جون نے لقمہ دیا۔

آپ کا کیا خیال ہے۔ انکل کے بارے میں؟"

اگر آپ و ہوا تبدیل کر لیں تو بہت اچھا ہے۔ ورنہ ایک دو ماہ بعد پھر یہی مرض عود کر سکتا ہے۔"

یہی میرا خیال تھا۔ اور میں نے کہا بھی تھا۔ مگر انکل نے میری بات پر شاید اس لئے توجہ نہیں کی کہ میں ڈاکٹر نہیں ہوں۔؟

جج صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

نہیں یہ وجہ تو نہیں تھی۔ بلکہ صرف میری ہی تنہائی کے خیال سے کہہ رہا تھا لیکن اب تو مجبوراً جانا ہی پڑے گا۔ ورنہ ہمارے ڈاکٹر صاحب اور پرنسپل صاحب کو شکایت پیدا ہو جائے گی۔

پرنسپل صاحب نے کہا۔

یقیناً بلکہ اگر آپ انکار بھی کریں گے تو میں آپ کو زبردستی کسی ایسی جگہ بھیج دوں گا۔ جہاں سے آپ اس وقت تک واپس نہ آ سکیں جب تک مکمل طور پر صحت یاب نہ ہو جائیں۔

جون نے فوراً کہا۔

آپ کو اس تکلیف کی ضرورت نہیں۔ میں آج شام ہی شملہ جا رہا ہوں۔ وہاں کی آب و ہوا سے زیادہ بہتر تو اس بمبئی کے گرد و نواح میں کسی علاقہ کی آب و ہوا نہیں ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب کو اتفاق ہو تو میرے ساتھ وہیں چلئے۔ دو تین ماہ کے قیام کے بعد واپس آ جائے گا۔ کیا خیال ہے۔ آپ کا ڈاکٹر صاحب؟

ضرور۔ آپ کے ہمراہ انہیں تکلیف بھی نہیں ہو گی۔

پرنسپل صاحب نے کہا۔

بس تو پھر آج شام کی بکنگ کرائے دیتا ہوں۔؟

جون مسکراتے ہوئے بولے۔

یہ سب کچھ ہو جائے گا۔ آپ تو صرف ضرورت کا سامان ٹھیک کرا دیجئے۔

جج صاحب بولے۔

آخر ایسی کیا جلدی ہے۔؟

میری نے اپنے ڈیڈی کی زندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا۔

نہیں ڈیڈی۔ آپ میری وجہ سے اپنے آپ کو ہرگز خطرے میں نہ ڈالیں۔ اور پھر یہاں پرنسپل صاحب ہیں۔ جو میرا ہر طرح خیال رکھیں گے۔ اس کے علاوہ شمس صاحب اور فرید صاحب بھی تو آتے رہتے ہیں۔ ان سب کی موجودگی میں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہوگی آپ اطمینان سے چلے جائیے۔ اگر امتحان اور اس اسکیم کا سلسلہ نہیں ہوتا تو میں بھی تمہارے ساتھ چلتی۔ اب آخری پرچہ کرتے ہی اپنے آنے کی اطلاع کر دوں گی۔ صرف بیس دن ہی تو باقی ہیں۔ جب تک مسٹر جون آپ کی دیکھ بھال رکھیں گے۔

جون نے لقمہ دیا۔

دیکھ بھال کیا معنی۔ آخر میرے انکل ہیں کیا مجھ پر ان کی خدمت فرض نہیں؟

جج صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

یہ تمہاری لیاقت ہے، مسٹر جون۔ ورنہ ہمیں تو خدا نے لڑکے کی نعمت سے ہی محروم رکھا ہے۔

میری تڑپ کر بولی۔

ڈیڈی۔ میں آپ کی ایک لڑکے سے زیادہ خدمت کروں گی۔ آپ مجھے ہی اپنا لڑکا تصور کریں۔

جج صاحب نے رکتے ہوئے کہا۔
تم تو میری زندگی کا سرمایہ ہو بڑھاپے کی لاٹھی ہو۔"
پرنسپل صاحب نے کہا۔
اس میں کیا شک ہے۔ جج صاحب۔ بڑی ہونہار لڑکی ہے۔ آپ کی۔
ڈاکٹر صاحب نے کہا۔
اچھا جج صاحب اب میں چلوں گا۔
بہتر ہے "
ہاں تو پھر یہ بتا دیجئے۔ کہ کب جانے کا خیال ہے۔ آپ کا۔ تاکہ میں روزمرہ
کی دوائیں لکھ دوں۔ اور ان کا طریقہ بھی سمجھا دوں۔
جون نے بات کاٹی۔
آج شام ہی کی ٹرین سے جائیں گے۔
جج صاحب نے لقمہ دیا۔
لیکن۔"
جون نے بات کاٹی۔
جی نہیں۔ اب کوئی بہانہ آپ نہیں کر سکتے " بھلا یہ بھی کوئی بات ہے کہ
اتنی نازک حالت ہو گئی۔ لیکن ایک دو ماہ کے لئے باہر جانا گوارہ نہیں ہے۔
حالانکہ پہلے بھی آپ ان سب کے مشوروں کو وقتی اور بے بنیاد سمجھ کر ٹال گئے
جس کا آج یہ نتیجہ ہے کہ اس قدر نازک حالت ہو گئی۔
ڈاکٹر صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دیکھئے جج صاحب ابھی وقت ہے کہ آپ اپنی دیکھ بھال کر لیں۔ ورنہ
کوئی صورت آپ کی صحت کی واپسی کی نہیں رہے گی۔ اس لئے میرا تو یہی مشورہ
ہے کہ جیسے بھی ہوا آپ مسٹر جون کے ہمراہ چلے جائیں۔ آگے آپ کو اختیار ہے۔

جج صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔

بہتر ہے ڈاکٹر صاحب میں پھر آج ہی چلا جاؤں گا لیکن میری کی جدائی
کا خیال میرے ارادوں کو آج بھی متزلزل کر رہا ہے۔"

میری نے لقمہ دیا۔

جی نہیں۔ اس مرتبہ تو آپ کو جانا ہی پڑے گا۔ آج رات کی گاڑی سے آپ
ضرور چلے جائیں۔"

ہاں۔ اگر ایسا ہو جائے تو اچھا ہے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں۔ کافی دیر
ہو گئی ہے شام کو ملاقات ہو گی۔ گڈ مارننگ۔"

گڈ مارننگ" سب نے کہا۔ اور ڈاکٹر صاحب چلے گئے

تھوڑی دیر کے لئے خاموشی مسلط ہو گئی۔ پھر مسٹر جون نے کہا۔

اچھا انکل۔ اب اجازت دیجئے۔ تاکہ کچھ انتظام میں بھی کر لوں۔ دوسرے
سیٹ بھی بک کرانی ہے۔"

اچھا تو جاؤ۔ لیکن آؤ گے کس وقت؟"

اب تو شام کو ہی آسکوں گا۔ کچھ لوگوں سے ملنا جلنا بھی ہے۔ اس لئے
شام کے وقت ہی آسکوں گا۔"

اچھا گڈ بائی۔"

جون اور رضیہ دونوں چلے گئے تو جج صاحب نے کہا۔

آپ بتائیے۔ پرنسپل صاحب میں چلا جاؤں یا نہیں۔؟

میرے خیال میں آپ ضرور چلے جائیے۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب کا بھی مشورہ ہے۔

لیکن میں اس لڑکے کے ساتھ جانا پسند نہیں کرتا۔

آپ کا ان کا ساتھ ہی تو رہے گا۔ ایسی ہے تو ایک کے بجائے دو ملازموں کو ساتھ لے لیجیئے۔

وہ تو میرے ساتھ جائیں گے ہی لیکن میں تو جون کے ساتھ جانے کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔

مسٹر جون کا اور آپ کا بس ساتھ ہی تو رہے گا۔ ایک ڈبہ میں کئی کئی مسافر سفر کرتے ہیں اس میں آپ کا کیا حرج ہے۔ ہاں۔ شملہ پہنچ کر علیحدہ انتظام کر لیجئے گا۔

جب وہ میرے ساتھ ہوگا تو علیحدہ کیسے رہ سکتا ہوں۔ ورنہ بلاوجہ کی بات بن جائے گی۔

آخر وہ آپ کا کر بھی کیا سکتے ہیں جو آپ کو اس قسم کا خیال پیدا ہوا۔

کچھ نہیں۔ بھلا میرا کیا کرے گا۔

بس تو پھر اپنا سامان درست کرا لیجئے۔ اور میری کی جانب سے مطلق فکر نہ کیجئے گا۔ بلکہ جو سہولیت یا آرام میں اپنی اولاد کو دے سکتا ہوں اسے بھی دوں گا۔

جی ہاں۔ بس ان کا ہی خیال ہے۔ لیکن جب آپ کہہ رہے ہیں۔ تو چلا جاؤں گا۔

آپ نہایت اطمینان سے جائیں۔ آخر ایسی کونسی بات ہے جس کی وجہ سے خواہ مخواہ آپ پریشان ہو کر اپنے کمزور دل کو اور غم پہنچا رہے ہیں۔

ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔ بس یونہی خیال آ جاتا ہے۔ مگر اب مجھے پورا پورا بھروسہ ہے کہ آپ کی موجودگی میں ان کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہوگی۔

اچھا تو پھر مجھے بھی اجازت دیجئے۔ شام کو ضرور حاضر ہو جاؤں گا۔

میں کیسے کہہ سکتا ہوں۔

جج صاحب نے کہا۔ اور پرنسپل صاحب شمسی اور فریدہ کو ساتھ لیکر کالج کی طرف روانہ ہو گئے۔

راستے بھر شمس اور فریدہ نے اس خط کے بارے میں کچھ نہیں بتایا کیونکہ جج صاحب کی اچانک علالت کے سبب پرنسپل صاحب بھی کچھ پریشان نظر آرہے تھے۔ ان کا اترا ہوا چہرہ اس بات کی دلیل پیش کر رہا تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ خاموشی کی آڑ میں کسی خاص اور سنجیدہ مسئلے کا حل تلاش کر رہے ہیں۔ جس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا تھا۔ اور پوچھ بھی سکتا تھا مگر شمس نے ظاہری حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس قسم کا کوئی سوال کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دفتر میں پہنچ کر بھی کئی منٹ تک اسی طرح خاموش بیٹھے نہ معلوم کیا کیا سوچتے رہے اور نہ جانے کب تک غور و فکر کے سمندر میں غوطہ زن رہتے کہ شمس نے پوچھا۔

آپ کچھ پریشان نظر آرہے ہیں۔

اور وہ چونک کر بولے۔

" ہاں۔ اس وقت میں عجیب الجھن میں مبتلا ہوں "

کیا میں کچھ خدمت کر سکتا ہوں۔

وہ کام تمہارے بس کا نہیں۔ ہاں جج صاحب ضرور کر سکتے تھے۔ مگر ان کی حالت بہت خراب تھی۔ اور سچ تو یہ کہ صبح جب میں پہنچا ہوں تو مجھے مطلق

یہ امید نہیں رہی تھی کہ وہ بارہ ہم سب سے باتیں کر سکیں گے بلکہ میں تو یہ سمجھا تھا کہ چند منٹ کے مہمان ہیں۔ لیکن خدا کی رحمت اسی کو کہتے ہیں کہ وہ مردے میں جان ڈالتا ہے۔ مگر وہ بات اس وقت میں نہیں کہہ سکتا ہوں ورنہ وہ ہرگز نہیں جائیں گے۔ اور اس طرح ان کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ اب یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا کیا جائے۔

شمس نے کہا۔

”معلوم ہوتا ہے آج کا دن ہی کچھ اس قسم کا ہے۔

کیا مطلب۔؟“

”یعنی صبح ہی صبح جب آنکھ کھلی تو ایک عجیب قسم کا معاملہ ہوا۔ فوراً آپ کے پاس مشورے کے لئے آیا لیکن معلوم ہوا کہ آپ جج صاحب کے پاس گئے ہوئے ہیں۔ سیدھا وہاں پہنچا تو اور بھی زیادہ اہم مرحلے میں سب کو پھنسا ہوا دیکھا۔ اب آپ یہ فرما رہے ہیں“

پرنسپل صاحب نے بات کاٹی:

”تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟“

شمس نے وہ خط پرنسپل صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ انہوں نے فوراً ہی نہایت اضطراب سے پڑھنا شروع کیا۔

چند منٹ تک کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ اس دوران میں شمس برابر ان کا جائزہ لیتے رہے۔ کہ انہوں نے خط میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

”ایسا ہی ایک خط مجھے بھی ملا ہے اسی کے سلسلے میں جج صاحب کے مشورہ

کرنے کے لئے گیا تھا۔ مگر وہ اپنی مصیبت میں مبتلا تھے اور اب یہ خطوط دکھانے کا اس لئے موقع نہیں ہے کہ وہ فوراً ہی باہر جانے کا خیال کریں گے جو ان کے لئے بہت زیادہ خطرناک ہے۔"

یہ تو ٹھیک ہے لیکن اب یہ سوچئے کہ ہم کیا کریں۔

یہ تمام باتیں اطمینان سے بیٹھ کر سوچنے کی ہیں۔ میرے خیال میں شام کو جج صاحب کے چلے جانے کے بعد میری آپا کے سامنے یہ صورت حال بیان کی جائے اور اس کا مشورہ بھی دیکھا جائے۔ اس کے بعد پھر جیسا ہوگا کیا جائے گا۔

"بہتر ہے" شمس نے کہا۔

اور وہ کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

تم دونوں ٹھیک چار بجے وہاں پہنچ جاؤ۔ چھ بجے کی گاڑی سے جج صاحب تو چلے ہی جائیں گے۔ اس کے بعد اطمینان ہو جائے گا۔ پھر بات اپنی ہے۔"

جی ہاں یہ بہت مناسب خیال ہے۔ اچھا تو پھر ہم چار بجے وہاں پہنچ جائیں گے ہاں۔ اس وقت میں بھی کوئی رائے قائم کرنے سے قاصر ہوں کیونکہ اس خط کو دیکھتے ہی میری تو یہ حالت ہو گئی تھی کہ اگر اس شخص کا پتہ چل جاتا تو میں یقیناً شوٹ کر دیتا۔

غصہ تو مجھے بھی آیا لیکن مصلحت صرف اسی میں ہے کہ خاموشی سے کوئی پلان مرتب کرنے کے بعد اس پر عمل کیا جائے ورنہ ہمارا دشمن ہوشیار ہو جائے گا۔

اسی لئے تو میں خاموش ہو گیا۔ ورنہ پولیس کو تو اطلاع کر ہی دیتا۔ مگر پھر سوچا

پہلے مشورہ کر لوں تو اس الجھن میں پھنس گیا۔ بہر نوع تم پہنچ رہے ہو نا۔؟

جی ہاں ”

اچھا تو اب جاؤ۔ اور اس دوران میں یہ غور کرو کہ یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے؟ تاکہ پھر اس کے خلاف ایسی موثر کارروائی کی جائے کہ وہ آئندہ جرأت نہ کر سکے ”

تھوڑی بہت قیاس آرائی تو کر چکا ہوں۔ اب مزید اور غور کروں گا لیکن میرا خیال ہے کہ جس شخص کے بارے میں اس وقت تک فیصلہ کیا گیا ہے وہی اس کام کو کر رہا ہے ورنہ کسی اجنبی شخص کی اتنی جرأت نہیں ہو سکتی ”

یہی میرا بھی خیال ہے کہ وہ ہم سب کے حالات سے اچھی طرح واقف ہے لیکن مفصل بات شام کو ہوگی ”

بہت اچھا تو پھر ہم دونوں جاتے ہیں ”

ہاں جاؤ۔ لیکن آج سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ دشمن اچانک اور بے خبر ہو جانے پر فائدہ اٹھاتا ہے ”

بہتر ہے ”

وہ اپنا جملہ ختم کر کے ان کے کمرے سے باہر نکل آئے۔ اور کلاس میں جانے کے بجائے ہوسٹل چلے گئے۔ کیونکہ ان کے خیالات بہت ہی برگشتہ تھے۔

جوں جوں وقت گذر رہا تھا میرؔی کے دل پر خود بخود وحشت اٹھ رہی تھی ۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ خوب چیخیں مار مار کر روئے۔ لیکن جج صاحب کی علالت کے خیال سے اپنے آنسوؤں کو ضبط کر رہی تھی ۔ تاکہ وہ اس کی حالت کا اندازہ لگا کر۔ کہیں اپنا ارادہ ترک نہ کر دیں جو ان کی زندگی کے لئے خطرناک ہونے کے ساتھ ساتھ۔ میری کے لئے بہت ہی زیادہ مہلک تھا۔

کیونکہ مذہبی اور قانونی اصول کے تحت جب تک لڑکی کسی کے سپرد نہیں ہوتی اس کی زندگی کچے دھاگوں سے بنے ہوئے ہنڈولے میں جھولتی رہتی ہے اور طرح طرح کی افتادیں محض ایک جوانی کو حاصل کرنے کے لئے ظہور میں آجاتی ہیں اسی لئے جج صاحب اس کو اکیلا نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ تھا۔ کہ میری کس دور سے گذر رہی ہے۔ اس کا حسن دنیا والوں کے لئے کیا اہمیت رکھتا ہے ان کو یہی خیال بار بار اکیلا پردیس جانے سے روک رہا تھا۔ مگر پرنسپل صاحب کے وعدہ کرنے پر وہ مطمئن ہو گئے۔ اور شام کی گاڑی سے جانے کے لئے تمام انتظام مکمل کر لیا گیا۔

حسب وعدہ ٹھیک پانچ بجے شمسؔ کے پہونچنے کے بعد پرنسپل صاحب بھی آگئے۔ لیکن آج سب کے سب اداس تھے۔ اور جج صاحب کا بنگلہ جو کل

تک مسرتوں کا گلزار بنا رہتا تھا۔ آج حسرتوں کا گہوارہ معلوم ہو رہا تھا ہر چیز سے بے بسی ٹپک رہی تھی۔ گو وہی آنے والے آج بھی آئے تھے۔ اور مختلف امور پر گفتگو بھی ہو رہی تھی۔ اس کے باوجود مایوسی کے عبرتناک تصورات سب کے ذہن پہ گردش کر رہے تھے۔

میری کو تو اپنے ڈیڈی کی جدائی کا غم کھائے جا رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ غالبًا اب ان کی صورت اور شفقت سے وہ ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائے گی۔ پرنسپل صاحب کو رہ رہ کر اس خط کا خیال آ رہا تھا۔ جس میں ان کی توہین کرنے میں کوئی کمی نہیں کی گئی تھی۔ اور وہ اس کا تدارک سوچ رہے تھے۔ شمس کو کچھ تو خط کا خیال بھی تھا۔ لیکن سب سے زیادہ میری کی افسردگی بار گزر رہی تھی۔ فرید میاں بمبئی سے بھاگنے کا منصوبہ تیار کر چکے تھے۔ لیکن شمس کی وجہ سے وہ پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے وہ بھی خاموش تھے۔ گویا ہر فرد کسی نہ کسی الجھن میں گرفتار تھا۔

اتنے میں مسٹر جون بھی رضیہ کے ہمراہ آ گئے۔ اور جج صاحب کا سارا سامان ان کی موجودگی میں دو نوکروں کے ہمراہ اسٹیشن بھیج دیا گیا۔ گاڑی جانے میں صرف ایک گھنٹہ تھا اس لئے جلدی جلدی چائے کا ایک بدمزہ۔ اور پھیکا سا دور چلا۔ جس کے فورًا بعد ہی سب اسٹیشن پہونچ گئے اور ٹھیک چھ بجے تین انسانوں کا یہ چھوٹا سا قافلہ۔ سب کو بمبئی پامیٹ فارم پر کھڑا چھوڑ کر شملے روانہ ہو گیا۔

جج صاحب کے چلے جانے کے بعد میری کی عجیب حالت ہو گئی۔ کیونکہ ان کی زندگی میں یہ پہلا اتفاق تھا کہ وہ اپنے ڈیڈی سے اس طرح دور رہوئی اور ہونکہ سوائے ان کے اس کا نہ کوئی ہمنوا تھا، اور نہ کوئی خیر خواہ۔ اس لئے رہ رہ کر اپنی بے بسی اور تنہائی کا خیال اس کے دل میں کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ حالانکہ یہ محض نادانی تھی۔ ورنہ اس عمر کو پہنچ کر۔ اس قسم کے طفلانہ خیالات کبھی پیدا نہیں ہوا کرتے۔ بلکہ عام طور پر تو دنیا کی اولادیں سن بلوغ کو پہنچتے ہی والدین سے کنارہ کش ہونے کی آرزو کو اپنے دل میں اس مستحکم خیال کی طرح پیوست کر لیتے ہیں۔ جس پر مستقبل کا دارومدار قائم ہوتا ہے اور تھوڑے ہی دنوں بعد یہ خیال عملی شکل میں کنارہ کشی کرا دیتا ہے جس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔

لیکن وہ تو نہ معلوم کس قسم کی لڑکی تھی۔ جو یہ سمجھتے ہوئے کہ جج صاحب ایک دو ماہ کی قلیل مدت میں پھر اُسے مل جائیں گے پھر بھی اسی طرح ملول نظر آ رہی تھی۔ جیسے نہ معلوم کتنا بڑا حادثہ رونما ہو گیا ہے۔ یا پھر وہ کسی ایسی افتاد میں مبتلا ہونے والی ہے۔ جس کے متعلق پہلے سے علم ہو جانے پر انسان اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتا ہے۔

وہ انہی فرسودہ خیالات میں ڈوبی ہوئی اسٹیشن سے بنگلہ تک پہنچی۔ اور

اس طرح خاموش بیٹھ گئی۔ جیسے اس کا سہاگ چھین کر بیوگی کا سندور اس کی مانگ میں بھر دیا گیا ہو۔ کیونکہ اس کی جوانی اس کو یتیم کہنے سے باز رکھ رہی تھی۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے میرتی کی خوبصورتی کو سہاگ اجڑنے کا داغ لگا ہے۔ اس کا چاند سا مکھڑا رنڈاپے کے گہن میں آ گیا ہے۔ یا پھر دکھ کا مندر کی مورتی ہے۔ جس کو بنانے والے نے سوگوار خیالات کا سہارا لے کر بنایا ہے۔ تاکہ وہ اس کے تخیل کا اس وقت تک ثبوت دیتی رہے۔ جب تک اس کے وجود کو ٹھیس نہیں پہنچتی اور جب کھلونا ہی ٹوٹ جائے تو آرائش کا تصور ہی کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔

وہ جس وقت سے آئی تھی دم سادھے نہ معلوم کیا سوچ رہی تھی اور یہ تینوں برابر اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ اس لئے پرنسپل صاحب نے ان خطوط کے بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ وہ پہلے ہی بہت افسردہ خاطر تھی اور اس معاملہ کو سن کر تو ممکن تھا کہ مکمل طور پر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھتی اس لیئے وہ کافی دیر بیٹھے رہنے کے باوجود اس مرکز پر نہیں آ سکے جس کی وجہ سے شمس اور فریدہ کے علاوہ وہ خود بھی بے حد پریشان تھے۔

حالانکہ اس دوران میں مختلف امور پر باتیں بھی ہوتی رہیں لیکن میرتی نے کسی بات میں کوئی دلچسپی نہیں کی۔

بالآخر جب دس بج گئے تو پرنسپل صاحب تسلی کے ملے جلے الفاظ جو عام طور پر زبان سے ادا ہوتے رہتے ہیں اس کو بھی سمجھانے کے لئے کہا۔ اور جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ جن کے ساتھ شمس اور فریدہ بھی اٹھے، تو میرتی نے کہا۔

کیا آپ جا رہے ہیں ؟"

ہاں۔ کیوں کیا کوئی بات ہے ؟"

نہیں۔ ویسے ہی پوچھ لیا ۔"

اگر کوئی بات ہو تو کہہ دو میں گھر اطلاع کرا دوں گا ۔"

آپ کیوں زحمت کرتے ہیں ۔

اس میں زحمت کی کونسی بات ہے۔ گھر نہیں سو یا یہاں سو جاؤں گا ۔

جی نہیں۔ آپ تکلیف نہ کریں یہ تنہائی تو قدرت نے میرے مقدر میں لکھ دی ہے آج نہ سہی کل سہی۔ ایک نہ ایک دن ضرور اکیلی رہ جاؤنگی اس لئے مجھے خود بھی عادت ڈالنی چاہیئے ۔"

کیوں بچوں کی سی باتیں کرتی ہو میری آپی اور ابھی تو خدا کے فضل سے جج صاحب حیات ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ایک ماہ میں واپس آ جائیں گے۔ اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے ۔"

میں مطلق پریشان نہیں ہوں۔ بلکہ یہ بات تو برسبیل تذکرہ کہہ دیا۔ آپ کوئی خیال نہ کریں۔ اور اطمینان سے جائیں۔ ابھی نوکر موجود ہے۔ اس کو اپنی دسراہٹ کے لئے کہہ دونگی کہ نہ جائے ۔"

آج کل کے نوکروں کا کچھ بھروسہ نہیں ہوتا۔ اس لئے میں کبھی یہ مشورہ نہیں دونگا کہ تم اس کو رات بھر یہاں پر رکھو۔ بلکہ میرے خیال میں جب تک جج صاحب نہیں آتے۔ شمسی اور فرید یہاں رہیں گے ایسی حالت میں اگر تم ملازم کو روکنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ۔

ان کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے میں جس طرح بھی ہوگا۔ یہ دن تو کاٹ ہی لونگی ۔

نہیں۔ میں نے جج صاحب سے وعدہ کیا ہے کہ تم کو اس طرح رکھوں گا جیسے میری اپنی اولاد ہو۔ اور چونکہ شمس پر مجھے پورا پورا اعتماد ہے اس لئے انہیں اس کام پر معمور کر رہا ہوں ۔ یہ تجھ سے زیادہ تمہاری دلجوئی کریں گے فرید کو اس لئے کہہ دیا کہ یہ ضرورت سے زیادہ احمق ہونے کی وجہ سے بہت بے مذاق بن گئے ہیں۔ ان کی وجہ سے تمہارے خیالات منتشر رہا کریں گے ۔

یہ سب تو آپ بلا وجہ کر رہے ہیں ۔"

بلا وجہ کیسے کر رہا ہوں۔ آج کل کی حالت اس درجہ خراب ہے کہ بس خدا پناہ میں رکھے۔ اور پھر تم بھی اکیلی رہ ہو گی ۔

میری نے بات کاٹی ۔

میرے خیال میں تو اکیلے رہنا کچھ اہم نہیں "

اکیلے رہنا ان کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا جن کو عادت ہوتی ہے

" تو مجھے بھی عادت ڈالنے دیجئے "

" یہ فیصلہ جج صاحب کے سامنے کر لیا ہوتا اور اب جب وہ آجائیں تو آئندہ کے لئے ضرور کر لینا۔ مگر اس وقت تمہاری ایک بات نہیں مان سکتا بس یہ دونوں اس وقت تک تمہارے ساتھ رہیں گے جب تک جج صاحب نہیں آجاتے ۔

اچھا۔ جیسے آپ کی مرضی۔ مجھے اس میں بھی کوئی انکار نہیں ہے "

اگر انکار ہوگا بھی تو میں کب مان لوں گا "

یہ سن کر میری خاموش ہو گئی تو وہ شمس سے مخاطب ہوئے ۔

"ہاں۔ تو آپ سمجھ گئے۔ مسٹر شمس۔"
"جی ہاں۔"
"اور آپ بھی۔ انہوں نے فرید کی طرف اشارہ کیا۔
"جی ہاں۔ میں خوب سمجھ گیا۔ ویسے اگر آپ مجھ سے نہیں بھی کہتے تو میں شمس کے ساتھ ضرور رہتا۔
اوہو۔ اس قدر دوستی ہے۔
جی ہاں کچھ دوستی بھی ہے اور کچھ مجھے رات کو ڈر بھی لگتا ہے اس لئے بغیر ان کے کبھی نہیں رہتا۔
تو اس کا مطلب ہے۔ تم ڈرپوک بھی ہو۔"
جی ہاں اب آپ کچھ بھی تصور کر لیجئے۔"
فرید میاں نے بہت ہی معصومیت سے اپنا جملہ ختم کیا۔ اور سب کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ اور میری کے دل سے ایک ہی جملہ میں اپنی ڈیڈی کی جدائی کا سارا غم یک لخت زائل ہو گیا تو پرنسپل صاحب پھر بولے۔
اسی لئے ان حضرت کو تمہارے پاس چھوڑ رہا ہوں تاکہ دل بہلا رہے۔
"نوازش بہت بہت۔"
اچھا اب میں چلتا ہوں کل پھر ملوں گا۔
بہت اچھا۔ میری نے کہا۔ اور وہ شمس سے مخاطب ہوئے۔
تم دونوں ذرا میرے ساتھ آؤ۔"
بہتر ہے۔ شمس نے کہا۔ اور فرید بولے۔"
کیا میں بھی۔؟
جی ہاں۔ آپ تو ضرور ہی آئیں۔"
اچھا۔ کہہ کر وہ شمس کے ساتھ پرنسپل صاحب کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔
اور میری کھڑی دیکھتی رہی۔

٭٭٭

بنگلہ سے باہر نکلتے ہی پرنسپل صاحب نے شمس اور فرید کو ان خطوط کی بابت سمجھا دیا کہ ابھی چونکہ میری زیادہ پریشان ہیں اس لئے کوئی تذکرہ نہ کریں۔ ورنہ وہ اور زیادہ پریشان ہو جائے گی اس لئے دو چار یوم بعد دیکھا جائے گا۔ اس بات سے شمس نے بھی اتفاق کیا۔ اور پرنسپل صاحب فرید میاں کو مکرر ہدایات دے کر وہاں سے چلے گئے تو فرید میاں نے کہا ؟

دیکھا تم نے اس موٹے نے کیا حرکت کی ؟

کیا۔ ؟ میں سمجھا نہیں ؟

بھلا تم کیوں سمجھو گے۔ اور یہ بات تمہاری سمجھ میں کیوں آئے گی۔

آخر ہوا کیا۔ یہ تو بتاؤ۔ یا بس یونہی کہتے رہو گے۔ ؟

ہوتا کیا۔ اپنی موٹی تازی جان بچا کر بھاگ گیا اور ہم کو قربانی کے بکرے کی طرح ان میم صاحب کے بنگلہ میں چھوڑ گیا۔ تاکہ جو کچھ گذرے ہم پر گذرے۔ اور خیر خواہی میں ان کا نام ہو۔ توبہ توبہ کیسی مطلبی دنیا ہے۔ اس بات کا بھی خیال نہیں کیا کہ آخر یہ دونوں بھی تو میری کی طرح بچے ہیں۔

شمس نے مسکراتے ہوئے لقمہ دیا۔

ہاتھی سا ڈیل لئے پھرتے ہو اور دل بڑی کے برابر بھی نہیں۔

دل دیکھنا ہے۔ تو کسی سے مقابلہ کرا کر دیکھو"

تصوّر میں رونگٹے کھڑے ہوئے جا رہے ہیں"

او ہو۔ تم سمجھتے کیوں نہیں۔

خوب سمجھتا ہوں اور اچھی طرح جانتا ہوں کہ آنجناب بڑے بہادر ہیں۔
اس میں شک بھی کیا ہے۔ لیکن یہاں تو در پردہ مارنے کا پروگرام بنایا گیا ہوگا۔ اگر مقابلے کی چوٹ ہوتی تو پھر دیکھتے میرے ہاتھ"

بس بس رہنے دو۔ زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ دیوار کے بھی کان ہوتے ہیں اور اگر کسی کو معلوم ہو گیا تو خواہ مخواہ تمہاری شامت آجائے گی"

ایں۔ تو کیا وہ یہاں پر موجود ہوگا۔"

موت کو کبھی دور نہیں سمجھنا چاہئے"

بس تو پھر بھاگ چلو"

"کہاں؟"

اس بمبئی سے دور جدھر بھی دل چاہے چلو"

کیوں؟ مقابلہ نہیں کرو گے؟"

اس دلگی کو چھوڑو۔ جان ہے تو جہان ہے"

تم جا سکتے ہو"

میں پھر کہتا ہوں کسی کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ اور وقت پر نہ یہ میم صاحبہ کسی کے کام آئیں گی نہ پرنسپل صاحب کسی کو نوازدیں گے۔ مشکل پڑے گی تو ہماری۔ اور ممکن ہے کہ اس میدان میں دونوں میں سے ایک کم ہو جائے تو یہ مس

صاحبہ جن کے تحفظ کے لیے ہم دونوں کو اس قربان گاہ پر چھوڑا گیا ہے ہمارے قاتل کے ساتھ زندگی بھر عیش کرتی رہیں گی مگر ہم نہیں ہوں گے اور بلاوجہ نہیں ہوں گے۔

میں تمہیں نہیں روکتا۔ تم جا سکتے ہو لیکن میں نہیں جاؤں گا۔" کیوں؟"

ایک مجبور لڑکی کو اپنی جان بچانے کی غرض سے۔ ایسی مصیبت میں پھنسا ہوا چھوڑ کر چلا جائے۔ کم سے کم میری غیرت اس بات کی اجازت نہیں دے سکتی۔

غیرت کی آڑ کیوں لیتے ہو۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ دل کا سودا کر لیا ہے ورنہ مصیبت میں تو نہ معلوم کتنی مخلوق خدا ابتلا ہے۔"

تم میری عادت کو جانتے ہوئے بھی ایسی بات کہہ رہے ہو۔"

اگر تم سے واقف نہیں ہوتا تو یہ کبھی نہیں کہتا کہ بھاگ چلو۔ لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ اب تم بدل گئے ہو۔ اور تمہارا دل کسی کی پوجا کرنے لگا ہے مگر اس عشق کی بہت بڑی قیمت تم کو ادا کرنی پڑے گی۔

اگر تمہارا یہی خیال ہے تو یونہی سمجھ لو لیکن میں اس کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔

کچھ بھی ہو۔ لیکن میرا ضمیر تمہاری طرح مردہ نہیں ہے۔"

ضمیر کا نام کیوں بدنام کرتے ہو، یہ کہو کہ میرا عشق ایسا نہیں۔"

یہ ہی سمجھ لو۔"

جب یہاں تک بات بڑھ گئی ہے تو مجھ سے چھپانے کی کیا ضرورت تھی پہلے ہی بتا دیتے کہ اس کی رسیلی آنکھوں کا جادو اثر کر چکا ہے۔"

تمہاری بکواس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔"

پھر وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔"

"یہ تمہاری نگاہ اور دماغ کا قصور ہے" "کیا۔ ؟"

"یہی کہ بلا وجہ کی ایک نئی بات بنا کر کھڑی کر لیتے ہو"

"تو اس حمایت کو پھر کیا سمجھوں ؟"

"جو تمہارا دل چاہے۔"

"پھر وہی۔ یا تو یہ کہہ دو کہ۔ فیصلہ ہو گیا نگاہوں میں دل کی دولت کو ہم لٹا بیٹھے۔ تب تو خیر میں بھی تمہاری آنا مرجان کو خطرے میں ڈال دوں گا ورنہ پھر ساتھ خیریت کے بمبئی چھوڑ دو۔ اس طرح بے موت مرنے سے کیا حاصل ہوگا۔ ؟"

"میں تمہاری طرح بزدل نہیں ہوں"

"اور میں تمہاری طرح احمق نہیں ہوں"

"تم جا سکتے ہو"

"اوہو۔ میرا مقصد یہ ہے کہ اگر وہ میری بھابی بننے کو تیار ہیں تو انہیں بھی ساتھ لے لو۔"

"اب یقیناً تمہیں پاگل خانے جانا چاہیئے"

"وہ تو ہم دونوں کو جانا ہی پڑے گا"

"مجھے کس قصور میں ؟"

"زیادہ پھیلنے کی کوشش مت کرو۔ آخر ہم بھی منہ میں زبان تو رکھتے ہیں۔ اور تھوڑا سا دماغ بھی ہے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو یہ بتاؤ کہ تم سے کہتی کیا ہے ؟"

عجیب انسان ہو۔"

کچھ عجیب بھی ہوں۔ اسی لئے تو تمہارے دل کی بات زبان پہ آگئی ورنہ اس رات کی طرح اس وقت بھی میرے سر ہو جاتے۔"

تو سب سمجھتے ہو۔ قربان جاؤں تمہاری عقل کے۔"

تم یہ مت سمجھو کہ مجھے کچھ معلوم ہی نہیں۔ مس میری مجھے سب کچھ بتا چکی ہیں۔"

کیا مطلب۔؟"

یہ تم غور کرتے رہو۔ بندہ تو چلا۔"

کدھر جاتے ہو پہلے بات بتاؤ۔ کیا کہا تھا میری نے تم سے؟"

جب تم کچھ نہیں بتاتے تو ہمیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ تمہاری خفیہ ملاقات کا راز تم کو ہی بتائیں۔

ہوں۔ اچھا اب آپ سیدھی طرح اندر چلئے۔ اور یہ بھی سن لیجئے کہ زبان کو لگام لگانی پڑے گی۔"

چلئے۔ ہم تو خود ہی گھوڑا بنے ہوئے ہیں جدھر مالک نے چاہا ہانک دیا۔"

وہ اپنا جملہ ختم کر کے شمس کے ساتھ میری کے پاس پہنچ گئے اور فرید میاں نے حسب ضرورت جو چاہا کہنا شروع کر دیا۔ کیونکہ وہ ان کے الفاظ میں دلچسپی لیا کرتی تھی۔!

جج صاحب کو ممبئی سے گئے ہوئے چار یوم گذر چکے تھے اور میری رفتہ رفتہ ان کی جدائی فراموش کر رہی تھی جس میں فرید میاں کا بہت بڑا ہاتھ تھا وہ بات بات پر مذاق کے پہلو پیدا کرتے ہوئے انسان کو ہنسانے کے عادی ہو چکے تھے اس لئے۔ صبح سے رات کے ۱۲ بجے تک ان کی باتوں کا وہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا تھا جس کے ہر لفظ میں ایک نئی جدّت ہوا کرتی تھی۔ اس لئے میری بھی ان سے دلچسپی تھی اور وہ اپنے اصل مقصد کو مدِنظر رکھتے ہوئے دن بدن اس کے قریب آنا چاہتے تھے۔

حالانکہ اسی چار دن کی مدت میں انہوں نے میری کے دل میں اپنے لئے جو مقام پیدا کر لیا تھا۔ اس کا اندازہ کسی کو نہیں تھا اور یہاں تک کہ وہ خود بھی ناواقف تھے۔ ورنہ۔ اور باتوں کے ساتھ اس کے ذہن میں یہ بات بھی ضرور پیدا ہو جاتی کہ شمس ایک اچھے دوست سے نہیں۔ بہتر شریک حیات بن سکتا ہے۔ مگر چونکہ فرید میاں ابھی تک میری سے زیادہ مانوس نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے اور تو ہر قسم کی بات کرتے لیکن اس معاملہ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے انہیں ڈر رہی لگتا تھا کہ اگر وہ ناراض ہو گئی تو شمس یقینی طور پر انہیں سخت سزا دے گا۔ اس لئے وہ شب و روز اس نازک مرحلہ کا ذکر چھیڑ

نے کے لئے راستہ ہموار کر رہے تھے۔

اور میری صبح شام کی گردش میں ڈیڈی کی جدائی کو اپنے نازک دل سے نکال کر خوشی سے ہمکنار ہونے کے لئے آگے بڑھ رہی تھی۔ مگر اب اس کا دل ان کی خیریت کا خواہاں تھا۔ اس لئے صبح سے شام تک کا وقت باوجود اس گہما گہمی اور دلچسپی کے ان کی خیریت کے تار کا منتظر رہا کرتا تھا۔

میری کو اسی انتظار میں چھ روز گذر گئے۔ گو جج صاحب کا کوئی خط یا تار نہیں آیا۔ تو ان کے دل پر ان کی موت کے بھیانک تصور نے قبضہ کر لیا اس کی آنکھوں میں ان کی وہی کیفیت رقص کرنے لگی جس کے بعد وہ زندگی میں پہلی بار۔۔ اپنے دل کے خلاف ڈاکٹر کے مجبور کرنے سے مسٹر جون کے ہمراہ جانے پر تیار ہوئے تھے۔

ان خیالات نے اس کو اس طرح بے چین کیا۔ کہ وہ پھر اسی یاس و حسرت کی دنیا میں لوٹ آئی یہاں سے فرید کی مسلسل کوشش، اور ہر وقت کے مزاحیہ الفاظ کھینچ کر لاتے تھے لیکن اس آٹھ یوم کی مدت گذر جانے کے بعد بھی جب ان کا کوئی تار نہیں آیا تو اس کو مکمل یقین ہو گیا کہ یا تو وہ اس دنیا سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے۔ اور اگر زندہ بھی ہیں تو ایسی حالت میں کہ ان کو اپنی اکلوتی بیٹی کا دھندلا سا تصور بھی یاد نہیں آتا۔ دو ملازم اور مسٹر جون بھی تو گئے ہیں۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوتی تو ان میں سے کوئی ضرور آتا۔ پھر ابھی تک خط یا تار کیوں نہیں آیا۔؟ ہو سکتا ہے۔ لیٹ ہو گیا ہو۔ آج کل کم بخت ڈاک کا محکمہ بھی تو عجیب طریقہ سے کام کر رہا ہے۔ نامعلوم

ان لوگوں سے اس لاپرواہی کے متعلق بازپرس کیوں نہیں کی جاتی۔ خیر دو چار دن اور دیکھ لوں۔ نہیں تو یہاں سے پھر کسی کو بھیجوں گی۔ میں خود بھی چلی جاؤں گی۔ مگر امتحان بھی تو سر پر موجود ہے۔ پھر اگلے سال دیکھا جائے گا۔ ڈیڈی کی خدمت تعلیم سے کہیں زیادہ ضروری ہے۔

وہ کئی دن تک انہی خیالات میں کھوئی رہی اور کوئی تار نہیں آیا کوئی آدمی نہیں آیا یہاں تک کہ دس روز کا عرصہ گذر گیا۔

اب تو اس کی پریشانی اور زیادہ بڑھنے لگی۔ اور دل کو اس بات کا پورا یقین ہو گیا کہ اس کے ڈیڈی ضروری کسی ایسے خطرے میں مبتلا ہیں۔ جو اپنی میری کو بھول گئے۔ اب تو یقیناً مجھ کو ہی جانا پڑے گا۔ مگر کس کے ساتھ جاؤں۔ اگر اکیلے جاؤں۔ تو وہاں جون ہے۔ ممکن ہے۔ ڈیڈی کی موت سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔ پرنسپل صاحب کالج کی وجہ سے نہیں جا سکتے۔ شمس کا جون پہلے سے دشمن ہے۔ پھر فرید لیکن وہ تو خود بہت ہی عجیب انسان ہیں پھر کیا کروں؟ وہ اس خیال میں کھوئی ہوئی تھی کہ شمس اور فرید آگئے۔ اور فرید نے اس کو خاموش دیکھتے ہی کہا۔

میں نے کہا۔ مس صاحبہ کیا غور و فکر ہو رہا ہے؟

وہ چونک کر بولی۔

جی۔ کیا سوچ رہی ہوں۔ بس ڈیڈی کے خط کے نہ آنے کا خیال ہے اگر تار نہیں بھیجا تھا تو خط ہی ڈال دیتے۔ لیکن معلوم نہیں کیا بات ہے۔ جو ابھی تک اطلاع نہیں دی۔ اور یہ دونوں کم بخت نوکر کیا ان کا منہ دیکھ رہے ہونگے۔

ان کو تو یہ چاہئے تھا کہ اگر ڈیڈی کی حالت خراب ہو گئی تھی تو کم از کم مجھے اطلاع ضرور کر دیتے۔ لیکن معلوم نہیں کیا بات ہے۔"

شمس نے اس کو مضطرب دیکھ کر کہا۔

ہو سکتا ہے تمہارے ڈیڈی ہی نے منع کر دیا ہو"

فرید بولے"

"آپ دونوں کا خیال بالکل غلط ہے بلکہ یہ تکلیف۔ خط یا تار بہر نوع جو کچھ بھی انہوں نے اپنے پہنچنے پر بھیجا ہو گا۔ ڈاک کی گڑبڑ کے سبب لیٹ گیا ہو گا۔ لیکن وہ کم بخت یہ نہیں جانتے کہ یہاں ہماری ہونے والی میرا مطلب ہے مس صاحبہ یعنی کہ مس میرآئی۔ اپنے ڈیڈی کے غم میں لپٹی جا رہی ہیں۔

شمس نے ڈانٹا۔

فرید۔ ہر وقت ایک سی باتیں اچھی نہیں معلوم ہوتیں"

میں آپ سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ کیوں مس صاحبہ۔؟"

میرآئی نے لقمہ دیا۔

شمس صاحب آپ ان کی باتوں کا خیال نہ کریں۔ انہوں نے میرا غم آدھا بانٹ لیا ہے"

فرید چونک کر بولے۔

جی ہاں۔ آپ کو میرا احسان مند ہونا چاہئے کہ مسٹر شمس۔ میں آپ کی روتی صورت پر ہنسی کے اولے برسا کر ماحول میں لطافت پیدا کر دیتا ہوں۔ سمجھے۔؟

خوب سمجھتا ہوں "

میرتی نے کہا۔

اگر آج شام تک ڈیڈی کا خط یا تار مجھے نہیں ملا تو پھر رات کی گاڑی سے میرا ارادہ ہے کہ ان کے پاس چلی جاؤں۔ آپ میرے ساتھ چل سکیں گے مسٹر فرید "

فرید چونک کر بولے۔

"میں ... ؟

جی ہاں، آپ "

میرے خیال میں بھائی کو اپنے ساتھ لے جائیے۔

کیوں۔ آپ کو کیوں انکار ہے ... ؟

"ویسے تو کوئی خاص بات نہیں۔ لیکن یہ آپ کو سفر میں راحت کے سامان مہیا کر سکتے ہیں۔ اس کا مجھے پورا تجربہ ہے" اور توقع ہے کہ ان کے ساتھ زندگی کے سفر میں جو بھی شریک ہو جائے گی۔ اس کو یہ ہمیشہ میل کے فرسٹ کلاس کی طرح آرام سے منزل مقصود تک پہنچا دیں گے۔ " ؟

میرتی مسکراتے ہوئے بولی۔

لیکن ابھی تو شملے جانے کا خیال ہے۔ زندگی کے سفر کی تیاری بعد میں ہو گی۔ اور اس میں سب کی رائے کو برابر کا دخل ہو گا "

سب کی بات چھوڑو۔ اس وقت تو مجھ سے مشورہ لیا جا رہا ہے۔ اس لئے میرا کہا مانئے۔ یہ آپ کا ہر سفر میں ساتھ دیں گے۔"

شمس نے لقمہ دیا۔
کیا بکواس ہے فریدہ۔ تمہیں اس قدر آگے نہیں بڑھنا چاہیئے ؟
آپ خاموش رہیں۔ کیونکہ ایسے معاملات میں صاحب معاملہ کی رائے کو کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ اس لئے برائے مہربانی اگر آپ وہاں تشریف رکھیں تو بہتر ہے۔
بہت خوب بزرگوار۔
کہہ کر وہ اٹھنا ہی چاہتے تھے کہ ایک کار بنگلہ میں داخل ہوئی جس میں سے مسٹر جون اتر کر میری کی طرف آئے۔ وہ انہیں دیکھ کر بہت گھبرا گئی اس کا دل کھٹک گیا کہ ضرور اس کے ڈیڈی اس دنیا سے رخصت ہو گئے اس کا ذہن اس درجہ ماؤف ہو گیا کہ وہ کچھ پوچھنا ہی بھول گئی اور صرف کھڑی کھڑی ان کا منہ تکتی رہی کہ شمس نے پوچھا۔
جج صاحب تو خیریت سے ہیں ؟
جی ہاں۔ خیریت سے ہیں لیکن وہاں پہنچ کر ان کی حالت بہت زیادہ خطرناک صورت اختیار کر گئی اس لئے آپ کو اپنے پہونچنے کی اطلاع نہیں دی جا سکی۔ اور اب اس لئے آیا ہوں۔ کہ جج صاحب آپ کو دیکھنے کے لئے بہت بےچین ہیں۔ کئی دن تک تو ٹالتا رہا لیکن جب وہ بہت ہی مایوس ہو گئے اور انہوں نے یہ کہا کہ اگر تم میری کو مجھ سے ملا دو گے تو تمہارا بہت بہت احسان مند رہوں گا اب میرا آخری وقت ہے۔ خدارا میری بچی کو بلا لو تا کہ آخری بار دیکھ کر اطمینان سے مر سکوں ؟

شمس نے لقمہ دیا۔

کیا ان کی حالت اس درجہ خطرناک ہے؟

جی نہیں خدا کے فضل سے اب بالکل ٹھیک ہیں۔ لیکن بس ایک خیال ہے جو انہوں نے نہ معلوم کیوں یہ سمجھ لیا ہے کہ اب وہ زندہ نہیں رہ سکیں گے۔

فرید نے کہا "

کس ڈاکٹر کا علاج ہو رہا ہے۔؟"

شملہ کے مشہور سول سارجن کے زیر علاج ہیں؟

ان کا کیا خیال ہے؟

وہ کہتے ہیں کہ زیادہ سے زیادہ پندرہ دن میں ان کی صحت بحال ہو جائے گی۔

شمس اور فرید اس قسم کے سوالات کرتے رہے اور مسٹر جون ان کا حال بتاتے رہے لیکن میری مطلق کچھ نہیں بولی۔ اس نے کوئی سوال نہیں کیا بلکہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کو دیکھتی رہی۔ اور اس کے کان سب کچھ سنتے رہے جو مسٹر جون کہتے رہے۔ آخر جب اس نے یہ سمجھ لیا کہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن زندگی سے دور بھی ہیں۔ تو سوال کیا "

لیکن آپ نے اتنی دیر کیوں کی؟ مجھے فوراً ہی اطلاع کرا دی ہوتی اگر کسی کو بھیج نہیں سکتے تھے تو تار دے دیا ہوتا۔

جون نے ایک ٹھنڈی سی سانس فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا "

کیا بتاؤں۔ جج صاحب کی وجہ سے مجھے آنا پڑا۔ ورنہ میں تو کل ہی تار

دے رہا تھا کہ وہ خیریت سے ہیں۔ کیونکہ ان کی طبیعت صرف دو دن ہی خراب رہی۔ اور جب سے اس طرف سے اطمینان ہوا تو انہوں نے بچوں کی طرح یہ ضد شروع کر دی کہ میری کو یہاں بلاؤ۔ یا لے کر آؤ۔ مجھے بھی ایک کام نکل آیا۔ اس لئے سوچا آپ کو بھی لیتا آؤں گا ورنہ کسی ملازم کو بھیجتا۔"

میری نے اسی طرح سنجیدگی سے پوچھا۔

تو کیا ڈیڈی ابھی ہسپتال میں ہیں۔

جی نہیں بنگلے پر ہیں۔"

بنگلہ ؟" اس نے تعجب سے کہا۔

جی ہاں۔ یہاں سے جاتے ہی ایک بنگلہ کرایہ پر لے لیا تھا۔" وہیں پر ہیں۔ ہسپتال میں تو صرف دو دن رہے۔

"ہوں"

اچھا تو پھر اب میں چلتا ہوں۔ ذرا اپنا وہ کام بھی کر لوں آپ شام تک اپنا سامان جو آپ ساتھ لینا چاہیں اور ضروری ہو۔ تیار کر لیں تاکہ چھ بجے والی گاڑی سے چل دیا جائے۔"

اچھا۔

میری نے کہا۔ اور مسٹر جون وہاں سے روانہ ہو گئے۔

۔:۔

جون کے چلے جانے کے بعد مبر آتی شمس اور فرید کو بیٹھا چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور چند معمولی سوٹ ایک سوٹ کیس میں رکھنے کے بعد پورے بنگلہ کا سامان ایک کمرے میں بند کرانا شروع کر دیا۔ تاکہ اس کی غیر موجودگی میں کوئی چیز ضائع نہ ہو۔

وہ تو اس کام میں منہمک تھی۔ اور شمس خاموش بیٹھے حالات کا جائزہ لینے کی کوشش کر رہے تھے کہ فرید بولے۔

"معلوم ہوتا ہے۔ جج صاحب کا انتقال ہو گیا"

"تم تو ایسی بے تکی بات سوچتے ہو اگر ان کا انتقال ہو جاتا تو جون کے ساتھ دونوں میں سے ایک ملازم ضرور ہوتا"

"ملازموں کو روکا بھی تو جا سکتا ہے۔"

"کیوں؟"

"آپ ابھی تک اس معمہ کو نہیں سمجھ سکتے؟"

"جی نہیں۔ میرا دماغ ابھی اس درجہ خراب نہیں ہوا اور شاید زندگی کے کسی حصہ میں بھی یہ حالت کبھی نہ ہو جو آپ کی اس جوانی میں ہے۔ بھلا کہاں سے کہاں بات کو ملا کر یہ نیا خیال قائم کیا ہے؟"

پہلے میرا مطلب سمجھ لو۔ پھر اس کے بعد کسی قسم کی قیاس آرائی کرنا۔

" فرمائیے۔ آپ کی حماقتیں نہیں سنوں گا۔ تو اور کس کی سنوں گا "

" دیکھئے مسٹر۔ جہاں تک مسٹر جون کی حالت سے میں نے اندازہ لگایا ہے وہ یہ ہے کہ جج صاحب تو اس دنیا سے نو دو گیارہ ہو چکے ہیں اور یہ حضرت نوکروں کو کسی ایسے کام میں الجھا آئے ہیں کہ وہ ابھی دس پندرہ روز تک تو ادھر کا رخ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے "

اس کی وجہ ؟"

وجہ کیا ہوتی! جج صاحب کے نوکر ہیں تو مسٹر جون کے بھی نوکر ہیں۔ آپ کے بھی نوکر ہیں میرے بھی نوکر ہیں گویا اس گھر میں آنے والے جانے والے ہر اس شخص کے نوکر ہیں جو مس میری یا جج صاحب سے ملنے آتا ہے۔ یا آتا تھا وہ بیچارے اندرونی معاملات کو کیا سمجھ سکتے ہیں کہ آپ کے یا میرے دل میں کیا ہے یا یہاں پر کس غرض سے آتے ہیں۔ لیکن چونکہ آئے ہیں۔ اس لئے ہم بھی جو حکم دیں گے۔ اس کو وہ بجا لائیں گے اسی کا نام نوکری ہے۔

اچھا پھر۔ اس تقریب سے آپ کا مقصد کیا ہے ؟"

مقصد یہ ہے کہ نوکروں کو تو ان حضرت نے کسی کام میں الجھا دیا ہوگا یا کچھ کہہ کر روک دیا ہوگا۔ اور اب یہاں اس غرض سے تشریف لائے ہیں کہ مس میری اپنے والد کی علالت کا حال سن کر ضرور ان کے ساتھ جائیں گی جیسا کہ شام تک ہو جائے گا۔ اور جب یہ اس بہانے یہاں سے نکل کر ان کے قبضہ میں پہنچ گئیں تو پھر ان کی آرزو پوری ہی پوری ہے یعنی ایک بے آسرا لڑکی ان کے چنگل سے

نکلنے کی کیسے جرأت کر سکے گی۔ اور کون اس کی اس معاملہ میں مدد کرے گا پھر تو بس وہ ان کی مرضی کے مطابق ہر وہ کام کرے گی جو انہیں پسند ہوگا۔ اور اسی طرح ایک نہ ایک دن مجبور ہو کر وہ ان کی ہوس کا شکار بھی یقینی ہو جائیگی جس کے بعد ایک لڑکی کا کسی کے قبضہ سے نکلنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور پھر وہ خود بھی اس امر کی کوشش نہیں کرتی ہے۔ کیونکہ اس کی ساری جدوجہد اپنی عزت کے لئے ہوتی ہے۔ اور جب وہ گوہر ہی نہ رہے تو تحفظ کس چیز کا اب تم خود ہی فیصلہ کرو کہ میری یہ بکواس اپنی جگہ کوئی اہمیت رکھتی ہے۔ یا نہیں ؟

یہ تمام صورت حال صرف نجم صاحب کے انتقال کی وجہ سے تمہارے ذہن میں پیدا ہوتی ہے۔ اب ذرا یہ بھی غور کرو کہ اگر وہ میرے خیال کے مطابق حیات ہیں تو یہ حضرت میرجی پر کس طرح فتح حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں یا دوسرے یہ کہ ہم کو ان کے معاملات سے کیا غرض۔ وہ اپنے لئے جو مناسب سمجھیں گی۔ کریں گی۔

پھر وہی۔ میں جناب سے ایک بار نہیں کئی بار کہہ چکا ہوں کہ وہ جو آن سے بیحد نفرت کرتی ہے۔ اس کے برعکس جب تمہیں دیکھ لیتی ہے تو اس کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک عجیب قسم کا کیف امنڈ آتا ہے۔ اور گلاب کی پنکھڑیوں جیسے نازک ہونٹ کیسا لطیف تبسم بکھیرنے لگتے ہیں۔ ان تمام علامتوں کا نچوڑ کیا ہے۔ اس کا تم اندازہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ تمہارے دماغ پر بچپن سے محبت کا بھوت سوار ہے۔ اور میں خدا کے فضل سے محبت کے معاملہ میں کنوارا ہوں۔ ہاں جب تمہارا اور

میری کا۔ قصہ کسی نتیجہ پر پہنچ جائے گا۔ تو اس طرف توجہ دوں گا۔ لیکن اس سے پہلے کوئی ارادہ نہیں ہے۔

بس کہہ چکے۔ جناب؟"

جی ہاں۔

اب ذرا یہ بھی ملاحظ فرمائیے کہ اول تو نہ میری کو مجھ سے کوئی دلچسپی ہے۔ اور نہ مجھے۔ دوسرے وہ ایک عیسائی لڑکی ہے اس لئے ہم دونوں کے درمیان مذہب کی زبردست خلیج حائل ہے۔ جس کو اتنی آسانی سے عبور نہیں کیا جاسکتا۔ جیسا کہ جناب نے فرمادیا۔ اس کے علاوہ میرے والد کی عادت سے تم اچھی طرح واقف ہو جس وقت انہیں یہ بات معلوم ہوئی تو مجھے یقین ہے کہ ہم دونوں کے لئے دو تکار توس کافی ہونگے۔

تم اپنے باپ کی فکر مت کرو۔ وہ اب تھوڑے ہی دن کے مہمان ہیں اگر میرا کہنا غلط ہو۔ تو جو دل چاہے۔ سزا دے لینا۔

جی ہاں۔ مرنے کے بعد تمہیں سزا دینے آؤں گا۔

او ہو۔ مرنے جینے کا قصہ بعد کے لئے رہنے دو پہلے جو ضروری بات ہے اس کا حل تلاش کرو۔ نہیں تو یہ وقت بلا وجہ کی بحث میں برباد ہو جائے گا اور مسٹر جون اپنے منصوبے میں کامیاب ہو کر میری کو تباہ کر دیں گے۔

شمس نے فوراً کہا۔

اگر تمہارا ایسا ہی خیال ہے تو چلو پرنسپل صاحب کے پاس چل کر مشورہ کرتے ہیں

جی نہیں وہ موٹا سارا کھیل بگاڑ دے گا۔"

پھر کیا کرنا چاہیئے۔؟"

میری بات مانو تو کچھ بتاؤں۔"

اگر قابلِ تسلیم بات ہوئی تو کبھی انکار نہیں کروں گا۔"

تو پھر سنو۔ ہم دونوں اب یہاں سے چلتے ہیں۔ اور شام کو پانچ بجے یہاں آکر تم یہ کہو کہ تمہارے والد کا کچھ ہو گیا یعنی چوٹ لگ گئی ہے یا بیمار ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ کہ جو مناسب ہو کہہ دینا اس سے یہ فائدہ ہو گا۔ کہ پرنسپل صاحب کچھ دن کی چھٹی دے دیں گے۔ اس کے بعد پھر ہم تم دونوں آزاد ہیں۔

اس سے کیا حاصل ہو گا۔؟

سنو تو سہی۔ اس کے بعد جو دل چاہے کہہ لینا۔ ہاں تو میرا مقصد یہ ہے کہ جب ہم دونوں آزاد ہو جائیں گے تو بھیس بدل کر شام کو چھ بجے والی گاڑی سے ان کے ساتھ ہی ان کا پیچھا کریں گے۔ اگر میرا خیال درست ہوا تو اس بیچاری کی زندگی برباد ہونے سے بچ جائے گی۔ ورنہ تھوڑے دن شملہ کی تفریح کر کے لوٹ آئیں گے یا ان کے ساتھ رہیں گے۔

لیکن پرنسپل صاحب سے مشورہ کرنے میں کیا ہرج ہے؟"

تم نہیں جانتے، وہ بہت اول جلول آدمی ہیں بغیر سوچے سمجھے۔ میری سے ضرور کہہ دیں گے پھر وہ کبھی ہرگز ان کے ساتھ نہیں جائیں گی، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم سب کی جان کا ایک تو وہ پہلے سے دشمن ہے اور ہو جائے گا۔ اور بہت ممکن ہے جج صاحب زندہ ہوں تو میری کا نہ جانا ان کے لئے باعث تکلیف ہو گا اس کے علاوہ جس دن تمام باتیں کھلیں گی کہ یہ ہم دونوں کا مشورہ تھا تو جج صاحب

نہ معلوم کیا خیال کریں گے۔ اور یہ پرنسپل صاحب اپنی جان جھاڑ کر سارا عذاب ہمارے سر تھوپ دیں گے اس لئے خاموشی سے اپنے پروگرام پر عمل کرو تاکہ اس بیچارگی کی مدد بھی ہو جائے اور ہم اپنی جان کا تحفظ بھی کر سکیں۔

ہوں۔ رائے تو معقول ہے لیکن ۔

پھر وہی لیکن۔ نہ معلوم کس گدھے نے اس قسم کے سوالیہ الفاظ پیدا کئے جن کو تم استعمال کرتے ہوئے صاحب بہادر۔ اگر مگر کیوں کیا۔ لیکن ۔۔ یہ تمام کے تمام الفاظ قطعی بیکار ہیں۔ ان کے چکر میں پھنس کر کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔

اچھا خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ اب ہمیں اپنا پروگرام ابھی مرتب کر لینا چاہئے۔ تاکہ وقت پر کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔

یہ سب میرے اوپر چھوڑ دو۔ بلکہ تم یہیں رہو۔ اور میں جا کر سب ٹھیک کر لوں گا اور شام کو میں تمہیں آکر یہ اطلاع دوں گا۔ جس کے فوراً بعد ہی تم اسٹیشن کا رُخ کرو گے وہاں ایک کمپارٹمنٹ پہلے ہی بک کرا لوں گا بس گاڑی جیسے ہی پلیٹ فارم پر آکر رکے۔ تم اُن کے ساتھ ہی بیٹھ جانا اس کے بعد جیسے جیسے بتاؤں ویسے ہی کرنا۔

اچھی بات ہے لیکن میں یہاں ٹھہر کر کیا کروں گا۔

پھر وہی۔ ارے بھائی۔ مسٹر جون کا جائزہ لینا۔ پرنسپل صاحب کی تجویز سننا اور کیا کرو گے۔

اچھا تو پانچ بجے پہنچ رہے ہو۔

ضرور۔ اور اس دوران میں اگر ہو سکے تو میری کو بھی سمجھنے کی کوشش

کرنا۔ اچھا ہے۔ جو تم مرحوم بھابی کا تصور چھوڑ کر مجھے سیتا جی کی بھابی دکھاد
آخر اس طرح کیسے زندگی گذارو گے۔ اس لئے پرانی باتوں کو چھوڑ کر نئی روشنی
کی شعاعوں سے اپنے دل کو منور کر دو۔"

تم سے جو کہا ہے وہ کرو ——— یہ وقت دل لگی کا نہیں ہے
سمجھے ۔ ؟

جی ۔"

تو بس جاؤ ۔"

بہت اچھا حضور —— جو حکم —— اور جو مرضی ہو سرکار کی۔ ویسا ہی
کیا جائے گا۔ اس لئے بندہ چل دیا۔"

فریدیا اپنا جملہ ختم کرکے چلے گئے تو شمس وہاں سے اٹھ کر میری کے پاس
چلے گئے۔ کیونکہ وہ بہت زیادہ پریشان اور منہمک تھی۔

۔:۔

میری کے پاس شمس کو گئے ہوئے کئی منٹ گذر گئے مگر دونوں میں سے کسی نے ایک دوسرے سے بات نہیں کی۔ بالآخر جب شمس نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا کہ اس وقت میری کے خیالات ایسے مرکز پہ قائم ہیں جہاں سوائے غم کے دوسری شئے کا نام تک نہیں ہے۔ کیونکہ باپ کی موت کا تصور اس کی آنکھوں میں کئی دن پہلے ہی سے موجود تھا۔ پھر جوآن کے الفاظ سن لینے کے بعد تو اس کو یقیناً وقتی طور پہ دنیا کی ہر دلچسپی سے دور ہو جانا چاہیئے تھا۔ جبکہ وہ یہ بھی اچھی طرح سمجھتی تھی کہ جج صاحب ہی اس کا سب کچھ ہیں۔ اس لئے وہ مغموم بیٹھی نہ معلوم کیا کیا سوچ رہی تھی کہ شمس نے کہا۔

میری ؟!

جی۔ ؟

تم اتنی مغموم کیوں ہو۔ ؟

قسمت کو میری خوشی سے نفرت ہے ؟

اس طرح گھبرانے سے کیا حاصل۔ بلکہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جج صاحب اچھی طرح ہونگے یہ صرف خیالی باتیں ہیں یہ ممکن ہے آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں۔ یا پھر میرا خیال ٹھیک ہو۔ لیکن حقیقت کیا ہے یہ تو وہاں جا کر ہی معلوم ہو گی۔

جب یہ سمجھتی ہو تو اس پریشانی سے کیا حاصل ہے۔ بلاوجہ اپنے اوسان گنوا رہی ہو ؟

اس بات کو آپ نہیں سمجھ سکیں گے "
ہو سکتا ہے لیکن تمہاری مدد کرنے میں کوئی کمی بھی نہیں کر سکتا۔ خواہ اس کی مجھے کتنی ہی بڑی قیمت ادا کرنی پڑے "
شکریہ۔ اس عنایت کا۔ لیکن قسمت کا لکھا کبھی نہیں مٹتا۔"
یہ آج کیسی باتیں کر رہی ہو "
میرا انجام میری نظروں کے سامنے آ رہا ہے اس سے آخری بار یہ باتیں بھی خاموشی سے سن لیجئے"
میری خدا کے واسطے جو کچھ کہنا چاہتی ہو صاف صاف کہو۔
جی ہاں۔ آج شام تک میں وہی سب کچھ کہوں گی جو پوشیدہ تھا "
یہ پہیلیاں میری سمجھ سے بالاتر ہیں "
یوں کہئے کہ حقیقت آپ کو معلوم نہیں ہے "
میں وہی جاننا چاہتا ہوں "
لیکن اس سے آپ کو تکلیف ہوگی اور بہت ممکن ہے آپ زندگی بھر تڑپتے رہیں۔
تم اپنے دل کا بخار ہلکا کر لو تاکہ میں بھی تھوڑا بہت حالات سے واقف ہو جاؤں "
سننا چاہتے ہو تو سنو۔ غالباً میرے ڈیڈی اس دنیا میں نہیں ہیں۔"
ایسا مت کہو میری ۔ میرا دل گواہی دے رہا ہے کہ وہ اچھی طرح ہیں "
خدا کرے کہ ایسا ہو۔ مگر مجھے امید نہیں۔
کیوں ؟"
جون کے آنے سے میرا ماتھا ٹھنک گیا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ ان کو مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا کر کے اپنی من مانی کرنے آیا ہے ۔ اور اب میں اس کے ساتھ جا کر غالباً پھر کبھی یہاں نہ آ سکوں گی اور اگر آئی بھی تو میرے ماتھے پر گناہ کے لاکھوں داغ لگے ہوں گے

رسوائی کا طوق میرے گلے میں پڑا ہوگا۔ بلکہ سینکڑوں کہانیوں کی طرح میری کہانی بھی چند دن کے لئے دنیا والوں کے ذہن میں گردش کرنے کے بعد ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گی۔

نہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ میں یہ کبھی نہیں ہونے دوں گا۔"

آپ میری وجہ سے اپنی جان کو خطرے میں ہرگز نہ ڈالیں۔"

یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

وہی کہہ رہی ہوں جس کو آپ نہیں سمجھ سکے۔"

میں ہر بات اچھی طرح سمجھ گیا ہوں اور اگر تمہارا خیال درست ہے تو اس کے ساتھ جانے کی کیا ضرورت ہے میں جا کر تمہارے ڈیڈی کو دیکھ آؤں۔

"غالباً آپ ان تک پہنچ نہیں سکیں گے۔

"کیوں؟"

وہ اپنا مکمل انتظام کر کے آیا ہوگا

تو پھر تم مت جاؤ۔"

اگر ڈیڈی زندہ ہوئے تو ان کو میرے نہ جانے سے تکلیف ہوگی۔"

پھر میں تمہارے ساتھ ہوں۔"

جو آپ کا جانی دشمن ہے اور میں نہیں چاہتی کہ آپ کے متعلق اس کے منصوبے عملی جامہ پہنیں۔"

پھر کیا کیا جائے۔؟"

صبر۔!"

لیکن۔"

میں اچھی طرح سمجھتی ہوں۔ آپ جو بات آج تک زبان پر نہیں لائے وہ بھی جانتی

ہوں۔ مگر اب ان باتوں میں کچھ نہیں ہے۔ ان خیالات کو اگر آپ اب فراموش کر دیں تو اچھا ہے۔ میں جب تک زندہ ہوں آپ کی دل سے عبادت کرتی رہوں گی۔ آپ کے لفظوں کو اپنی مٹ جانے والی امید کا مسیحا مانتی رہوں گی آپ میرے دل کی دھڑکنوں میں اسی طرح بسے رہیں گے خواہ میرا جسم گناہوں کے تیر کھا کھا کر چھلنی ہی کیوں نہ ہو جائے۔ مگر روح کی زندگی ایک ہی کا پیار ہوگا یہ اور بات ہے کہ آپ آج تک دل کی بات زبان پر نہیں لائے اور میں بھی بے جان پتھر کی طرح خاموش رہی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں آپ کی نہیں تھی یا نہیں ہوں۔

بس یوں ہی خاموش ہو جاؤ میری۔ اسی طرح خاموش ہو جاؤ جس طرح آج تک رہا ہوں۔ ورنہ محبت کی سچائی اور پاکیزگی پر دھبہ لگ جائے گا "

میں جانتی ہوں کہ میری محبت ایسی نہیں ہے۔ اور نہ تجھ سے محبت کرنے والا ہی ایسا ہے۔ بلکہ ہم دونوں تو شمع اور پروانے کا اصل روپ ہیں۔ جس طرح شمع خاموشی سے جلتی ہے میں بھی جلتی رہوں گی۔ اور جیسے پروانہ خاموشی سے جلتا ہے تم بھی جلتے رہو گے۔ یہاں تک کہ ایک دن دونوں مل کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائیں گے "

اے محبت کی دیوی۔ کاش تو پہلے سے مجھ پر ظاہر ہو گئی ہوتی۔ کاش یہ راز میں پہلے سمجھ سکتا۔ کاش تمہاری زبان سے یہ الفاظ پہلے نکل سکتے "

زیادہ کچھ نہ کہو۔ اگر میرے ہاتھ سے صبر کا پیمانہ چھلک کر ٹوٹ گیا تو ہم دونوں رسوائی کے طوفان میں پھنس جائیں گے "

میں اس طوفان کا مقابلہ کر سکتا ہوں ان لہروں کا منہ پھیر سکتا ہوں میں ان ہواؤں کے رخ بدل سکتا ہوں۔

اگر تم سہارا دو تو میں سب کچھ کر سکتا ہوں "

سب کچھ کر سکتے ہو تو صبر کر و سنتے ہیں صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔ اور اگر ہماری محبت سچی ہے تو ہم دونوں ایک روز ضرور ملیں گے۔ دنیا خود بخود ہمارے راستے سے ہٹ جائے گی۔

اچھا اچھا میں صبر کروں گا میری قسمت میں ہی صبر لکھا ہے۔ وہی میرا مخلص دوست ہے وہی میری ہر آرزو کا کنول ہے اس کی ہی گود میں یہ زندگی پروان چڑھتی ہے میری۔ اب ہمیشہ اسی کے ہی آسرے پہ رہوں گا۔ خوش رہو ہمیشہ خوش رہو۔ لیکن ایک التجا ہے۔ وہ یہ کہ میرے تصور میں آنے کی کبھی کوشش مت کرنا ورنہ محبت پاگل ہو جائے گی۔ اور یہ تم نے کیا ؟

وہ اپنا جملہ ختم کرکے کمرے سے باہر نکل گئے، اور میری آنکھوں میں ڈوب گئی اس کو ہی دنیا میں انقلاب آتا ہوا نظر آنے لگا۔ اس کو اپنی زندگی کے خواہش ساتھی کا افسردہ خانہ حسرت کے لبادے میں چھپا ہوا دکھائی دینے لگا۔ اور ذہن میں وہ تمام عہد گذشتہ کے شکستہ اوراق گردش کر گئے جب اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کسی کا پیغام محبت مسکراتے ہوئے قبول کیا تھا۔ اور اس دن کے بعد سے آج تک اسی طرح ہر روز اس کی باتیں دور ہی دور سے سن لیا کرتی تھی مگر آج غم کے گہرے اندھیروں میں پھنستے ہوئے وہ سب کچھ کہہ گئی جو اس کی زبان پر کبھی نہیں آ سکتا تھا۔ مگر باپ کی موت اور اپنی بے آسرا زندگی نے اسے مجبور کر دیا کہ وہ سب کچھ بتا دے۔ اور بتا دیا۔

مگر یہ نہیں سوچا کہ یہ الفاظ کسی کی زندگی کو بدل دیں گے۔ اپنے پوشیدہ خیالات کو واضح کرکے اس کی موت کا پیغام بھی بن جائیں گے جن کو سن کر وہ اپنی سانسیں تو پوری کرے گا لیکن زندگی ہمیشہ کے لئے مر جائے گی۔

یہی سبب تھا کہ شمس آج بالکل بدل گئے تھے ان کے خیالات ان کی زندگی اور کے اصول غرضیکہ سبھی کچھ بدل گیا تھا۔

شمس اور میری تمام دن ایک دوسرے سے علیحدہ رہے۔ اور اس درمیان میں دونوں کے دل طرح طرح کے خیالات میں الجھے رہے۔ حالانکہ میری کے دل نے چاہا کہ وہ ایک بار پھر اپنے پرستار کے سامنے جا کر۔ اپنی پہلی اور آخری محبت کو اپنے سینے سے لگائے مگر وہ نہیں گئی اور شمس تمام دن اداس بیٹھے یہ سوچتے رہے کہ میری نے اس سے محبت کی۔ ایک خاموش اور بے زبان کھلونے کی طرح جو ہمیشہ دیکھتا رہتا ہے مگر بولتا نہیں۔ ایسے ہی وہ بھی دیکھتی رہی اور نہ معلوم کب تک دیکھتی رہی۔ لیکن اچھا ہوا کہ آج بھی اس نے سب کچھ کہہ دیا۔ اب میں اس کے لئے اپنی جان کی بازی تک لگا دوں گا۔ میں اسے ہر قیمت پر حاصل کروں گا

انہوں نے یہ ایک قطعی اور یقینی فیصلہ کر لیا۔ کیونکہ وہ بھی میری سے ایسی ہی محبت کرتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ وقت آنے پر کچھ کہیں۔ لیکن فرید میاں کے پے در پے اسرار کے باوجود ہمیشہ انہیں ٹالتے رہے۔ صرف اس لئے کہ اگر میری کو ان سے کوئی لگاؤ نہیں ہوا تو۔ بلاوجہ ان کے ارمانوں کا خون ہوگا پھر وہ اس قابل بھی نہیں رہیں گے کہ زندہ رہ کر زندگی کے فرائض پورے کر سکیں اس لئے وہ ہمیشہ خاموش رہے اور میری اس خیال سے کچھ نہ کہہ سکی کہ اس کی زندگی اس کے ڈیڈی کے اختیار میں ہے وہ جہاں چاہیں گے اس کی قسمت اس کو وہیں لے جائے گی۔ ایسی حالت میں کسی کو سہارا دے کر فراموش کرنا وقت کا بدترین گناہ ہے۔ یہ سوچتے ہوئے وہ کچھ نہ کہہ سکی اور جب اس نے یہ سمجھ لیا کہ اب اس کی زندگی خود اسی کے ہی رحم و کرم پر ہے تو خیالات کی رو میں بہہ کر اپنی دلی تمنا کا اظہار کر دیا۔

تاکہ اگر شمس چاہیں اور ان کے دل میں اس کے لئے کوئی خیال ہو تو اس کو حاصل

کرلیں ورنہ جس طرح بھی ہو گا زندگی گذرے گی ۔

یہی سبب تھا کہ وہ دوبارہ شمس کے پاس نہیں آئی اور ان کے جذبہ محبت کے ایثار کا انتظار کرتی رہی ۔ یہاں تک کہ چار بج گئے ۔ اور پرنسپل صاحب حسب معمول آگئے اور جب ان کو مکمل حالات کا علم ہوا تو سوچ میں ڈوب گئے ۔"

شمس اور میری تو پہلے ہی سے اس الجھن میں مبتلا تھے اس لئے کسی نے ان کو کوئی مشورہ نہیں دیا اور وہ اپنی عقل پر زور دیتے دیتے اس نتیجہ پر پہنچ گئے کہ آپ کو میری کے ساتھ چلنا چاہیئے ۔

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ فریدہ پروگرام کے مطابق اپنا منہ بنائے ہوئے پریشان حال جو وہاں پہنچے اور ایک لفافہ شمس کو دیا ۔ تو شمس نے بڑے اطمینان سے کھول کر اس کو پڑھنا شروع کیا جس کا مضمون یہ تھا ۔

چھوٹے سرکار کو بعد سلام کے معلوم ہو کہ ان کے انا حضور ۔ یعنی بڑے سرکار کی حالت بہت نازک ہے اور خاندان والے آپ کی غیر حاضری سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں اس لئے خط کے ملتے ہی فورًا پہنچیے ۔

یہ خط بڑی مشکل سے چھپا کر لکھ رہا ہوں ۔ آپ کے چچا کے لڑکوں نے ڈاک پر پابندی لگا دی ہے اس لئے اسٹیشن پر لکھوا کر خود ہی ریل میں ڈال رہا ہوں ۔ وقت کم ہے اس لئے خط ختم کرتے ہوئے یہ کہوں گا کہ جیسے بھی ہو فورًا آئیے ۔ فقط

آپ کا نمک حلال

(چھوٹے بابا)

خط کو پڑھتے ہی شمس بنائے ہوئے پروگرام کے تحت کھڑے ہو گئے ۔ اور خط ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گر گیا جس کو بڑھ کر پرنسپل صاحب نے اٹھا کر پڑھا اور

چند منٹ تک خاموش بیٹھے کچھ سوچتے رہے۔ ماحول پر ایک عجیب قسم کا سکوت چھایا رہا
آخر جب فرید میاں کو کوئی صورت نظر نہیں آئی تو گھبراتے ہوئے بولے۔

کیا سوچ رہے ہو شمس۔؟"

قسمت کی کرشمہ سازی دیکھ رہا ہوں فرید۔ ایک طرف زندگی ہے۔ اور دوسری طرف فرض نہ ادھر جا سکتا ہوں نہ ادھر ایک اجنبی مسافر کی طرح اس دوراہے پر کھڑا ہوا ہوں جہاں سے مجھ کو خود اپنی منزل کا پتہ معلوم نہیں اور کوئی ایسا ہمنوا نہیں جو صداقت کی راہ پر میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے پہنچا سکے۔

فرید نے لقمہ دیا۔

گھبراؤ نہیں شمس۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور ہم دونوں کے ساتھ خدا ہے۔

زندگی بنانے کے لئے فرض کو کیسے فراموش کر دوں فرید۔ مجھے میری کے ساتھ بھی جانا ہے۔

پرنسپل صاحب نے کہا۔

تم اپنے گھر پہنچ کر بگڑے ہوئے حالات کو استوار کرو۔ میں فرید کو اپنے ساتھ لیجاؤں گا۔

فرید نے فوراً کہا۔

پرنسپل صاحب ایک انسان اپنے دشمنوں کا اکیلا کس طرح مقابلہ کر سکتا ہے میں شمس کو اکیلا ہرگز نہیں چھوڑ سکتا۔ ہاں یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں دو چار دن میں آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔

میری نے افسردہ لہجہ میں کہا۔

آپ صاحبان میری قسمت سے کب تک لڑ سکتے ہیں اس لئے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجئے

پرنسپل صاحب بولے۔

میں نے جج صاحب سے وعدہ کیا تھا اس لئے تم کو ان کے حوالے کرنے کے بعد ہی تم سے علیحدہ ہو سکتا ہوں۔"

میری کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ مسٹر جون آگئے۔ اور پرنسپل صاحب نے دوبارہ جج صاحب کی خیریت معلوم کی انہوں نے وہی الفاظ پھر دہرا دیئے تو پرنسپل صاحب نے کہا۔"

اچھا تو پھر میں آپ کے ساتھ چلوں گا۔

جون نے فوراً کہا۔

ضرور۔ ضرور۔ بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے بلکہ اچھا ہے آپ اسی بہانے ان سے مل بھی لیں گے۔

جی ہاں یہی سوچتے ہوئے چلنے کا ارادہ کیا ہے۔"

تو پھر چلئے پانچ بج رہے ہیں۔ ورنہ یہ ٹرین مس ہو جائے گی۔"

اور پرنسپل صاحب شمس سے مخاطب ہوئے۔

اب مسٹر شمس تو آپ دونوں صاحب کتنے دن میں وہاں پہنچ جائیں گے۔

فریدہ نے لقمہ دیا۔

زیادہ سے زیادہ چار دن میں۔"

بس تو پھر میں تمہارا انتظار کروں گا۔ اور سب ساتھ ہی واپس آئیں گے۔"

شمس نے کہا۔ بہتر ہے۔

اور سب اٹھ کر اسٹیشن کی جانب روانہ ہو گئے۔ تاکہ میری۔ جون۔ پرنسپل صاحب کو الوداع کہہ کر اپنے سفر پر روانہ ہو جائیں۔

⁂

جب یہ اسٹیشن پہنچے تو گاڑی بالکل تیار تھی۔ اس لئے جلدی جلدی تمام سامان رکھوا کر سب پلیٹ فارم پر خاموش کھڑے ہو گئے۔

اس دوران میں میری کی سحر خیز نگاہوں نے کئی بار شمس کے افسردہ چہرے کو دیکھا اور دو موتی ٹوٹ کر پلیٹ فارم کی خشک زمین میں جذب ہو گئے اس وقت شمس کا دل چاہا کہ بڑھ کر اس کو اپنے بازوؤں میں دبوچ لے۔ اپنے سینہ سے لگائے اور خوب جی بھر کر دل میں سلگنے والے ارمانوں کو بجھائے۔

مگر حالات نے اس وقت بھی اس کو شکست دیدی۔ اور وہ ایک مجبور پرندے کی طرح قفس میں پھڑپھڑا کر رہ گیا۔ جو بہار کے آنے پر اس کے نزدیک نہیں جا سکتا کیونکہ وہ قید ہے۔ ایک ظالم کے پنجہ میں ایک دو دن کے لئے نہیں ساری عمر کے واسطے ــــ اسی طرح شمس اور میری بھی سماج کی آہنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے ورنہ وہ ضرور ایک دوسرے سے بغلگیر ہوتے ایک دوسرے کو اپنے پیار کا واسطہ دے کر جلد سے جلد ملنے کے لئے پوچھتے مگر وہ کچھ بھی نہ کہہ سکے اور گارڈ نے سیٹی دے دی تو پرنسپل صاحب کے بعد مسز صوبن بھی لپک کر ٹرین پر سوار ہو گئے لیکن میری کے قدم جیسے بمبئی کی زمین نے پکڑ لئے اور وہ کئی سکینڈ تک اپنے محبوب کو دیکھتی رہی جو آج ہی اس کے قریب آیا تھا۔ اور آج ہی دونوں ایک دوسرے سے دور ہو رہے تھے۔

وہ بدستور اسی طرح کھڑی تھی کہ انجن نے دوسری سیٹی دی۔ اور شمس نے کہا۔

گھبراؤ نہیں میری میں بہت جلد تم سے ملوں گا۔ بلکہ یوں سمجھو کہ تمہارے ساتھ سایہ کی طرح رہوں گا۔ دیکھو گاڑی چھوٹ رہی ہے۔ جلدی کرو۔"

اور وہ بصد مجبوری آہستہ آہستہ ٹرین کے نزدیک پہنچ گئی تو شمس نے کہا۔

خدا حافظ میری ۔

خدا حافظ ۔

ایک سریلی اور درد بھری آواز شمس کے کانوں سے ٹکرائی اس نے سر کو ایک جھٹکا دے کر دیکھا تو وہ پرنسپل صاحب کے برابر بیٹھ چکی تھی اور گاڑی آہستہ آہستہ بمبئی سے دور ہو رہی تھی۔ حسین کے ساتھ فرید اور شمس چند قدم تک چل کر اپنی جگہ ٹھہر گئے تو فرید نے کہا۔

ڈبہ قریب آرہا ہے اس طرح ہوشیاری سے چڑھنا کہ ان میں سے کسی کو معلوم نہ ہو سکے۔ آر اور شمس نہایت احتیاط سے فرید کے پیچھے پیچھے جا کر پھرتی سے ٹرین پر سوار ہو گئے فرید میاں نے اس پورے ڈبے کو پہلے ہی بک کرا لیا تھا۔ اور اپنے ایک اور دوست کے ذریعہ تمام ضرورت کا سامان بھی رکھوا دیا تھا کیونکہ ان کو تو میری کے ساتھ اسٹیشن آنا تھا۔

بہرحال دونوں دوست بڑی ہوشیاری سے ٹرین میں سوار ہوئے اور کھڑکیوں کے ساتھ دروازے بھی بند کر دیے تا کہ اپنا میک اپ تبدیل کر کے میری کے ساتھ رہ سکیں اور کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ یہ شمس اور فرید ہیں۔

گاڑی اپنی پوری رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی اور بمبئی ہر لمحہ دور سے دور تر ہوتا جا رہا تھا۔ جب فرید نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا کہ وہ کافی دور نکل چکے ہیں تو سب سے پہلے شمس کا میک اپ تبدیل کر کے ایک ادھیڑ عمر فلاسفر کے روپ میں ڈھال دیا۔ جس کے چہرے پر غور و فکر کی لکیریں نمایاں تھیں جس کے بال کھنگھریلے تھے۔

جن میں سیاہی اور سفیدی اس طرح ملی ہوئی تھی جیسے قدرتی طور پر انسان جوانی اور بڑھاپے کے درمیان میں پہنچ کر مخلوط ہو جاتا تھا ایسی ہی داڑھی شمس کے نوجوان رخساروں پر لگائی تھی۔ تاکہ چہرے کے خدوخال سے ان کی اصلیت کسی پر ظاہر نہ ہو سکے اور ایسا ہی لباس بھی مہیا کیا تھا۔ تاکہ دیکھنے والے دور سے دیکھ کر یہ اندازہ کر لیں کہ یہ نیم پاگل انسان ضرور کسی فن کا مالک ہے۔

اس طرح شمس کو ایک فلاسفر بنا کر فریدی نے اپنے آپ کو ایک مورخ کے روپ میں اس طرح ڈھالا کہ دیکھنے والے یک زبان ہو کر یہ کہہ دیں کہ یہ دونوں دوست ہیں۔ اور ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

اپنے اس کام سے فارغ ہو کر فریدی میاں نے کھڑکیاں کھول دیں اور اپنے سوٹ کیس سے دو ریوالور نکال کر ایک شمس کو دیتے ہوئے کہا۔

یہ لو۔ اس سے زیادہ کوئی تمہارا ساتھ نہیں دے سکے گا، بہت احتیاط رکھنے کی ضرورت ہے۔

لیکن یہ ریوالور آئے کہاں سے؟

ہمیں اس سے کیا غرض؟

اس کے لائسنس جو نہیں ہیں۔

تم کیوں فکر کرتے ہو۔؟

لیکن ہمیں کرنا کیا ہوگا۔

رات کو ٹھیک ۱۲ بجے ہمیں اس ڈبہ میں پہنچ کر میری کی حفاظت کروں گا اور کل دن میں تم وہاں رہو گے۔

پھر اس کے بعد؟

پھر اس کے بعد جب وہ شملے کے اسٹیشن پر اتریں گی تو ہم بھی ان کے ساتھ اتریں گے

اور پھر کیا ہوگا۔ یہ حالات ہی بتا سکتے ہیں اور ہاں یہ پائپ تو دینا بھول ہی گیا۔"

لیکن میں کیسے پی سکوں گا

ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ بس یہ خیال رکھتے ہوئے سب کچھ کرنا پڑے گا۔"

اب تھوڑی دیر آرام کر لو۔ کیونکہ رات کو جاگنا ہے۔

مجھے نیند نہیں آرہی ہے۔

کیوں ؟"

میری کے الفاظ نے میرا سب کچھ لوٹ لیا۔"

کیا کچھ بات ہوئی تھی۔"

کچھ نہیں بہت کچھ بات ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ اس وقت تک کے لئے ختم ہو گیا جب وہ دوبارہ میرے قریب آئے گی تو پھر شاید کچھ کہہ سکوں ورنہ اب تو صرف تصور ہی تصور باقی ہے۔"

تو اس کا مقصد یہ ہے کہ تم اس کو میری بھابی بنا دو گے۔"

یہ ابھی کیسے کہہ سکتا ہوں۔"

اچھا خیر دیکھا جائے گا۔ تم اپنے اوسان ٹھیک رکھو۔ ورنہ کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔

فرید یہ کہہ کر سونے کو لیٹ گئے اور شمس کھڑکی سے باہر بھاگنے والے درختوں کھیتوں اور زمین کو دیکھتے دیکھتے نامعلوم خیالات میں کھو گئے۔

⁂

دوسرے دن شام کو سات بجے کے قریب مہرآئی، مسٹر جون اور پرنسپل صاحب کے ہمراہ بخیر و خوبی شملہ اسٹیشن پر پہنچ گئی لیکن وہ بدستور سوگوار نظر آرہی تھی اس کا دل پہلے سے کہیں زیادہ تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ سوچ رہی تھی نہ معلوم وہ زندہ بھی ہیں یا نہیں۔ غرض اس قسم کے لاکھوں فرسودہ خیالات اس کے ذہن میں گردش کر کے نازک دل کو بے چین کر رہے تھے اس کا پھول سا چہرہ شدت غم سے نڈھال دکھائی دے رہا تھا، اس کی جوانی گہنے ہوئے چاند کی مانند پھیکی پھیکی نظر آرہی تھی۔

فرید اور شمس اس کے نزدیک ہی آکر کھڑے ہو گئے مگر اس نے اُن کی آمد پر کوئی توجہ نہیں دی اور مسٹر جون کی قیادت میں اسٹیشن سے باہر جانے لگی تو فرید نے قلی سے کہا۔

دیکھو یہ جو میم صاحب جاتا ہے نا اُن کے ساتھ چلو۔ ہم پیچھے آتا ہے۔"

بہت اچھا صاحب" قلی نے کہا۔ اور وہ مہرآئی کے پیچھے سامان اپنے سر پر اٹھائے ہوئے پلیٹ فارم سے باہر آگیا۔

شمس اور فرید آہستہ آہستہ چاروں طرف اس طرح دیکھتے ہوئے چلے جا رہے تھے جیسے انہوں نے آج سے پہلے شملہ کا صرف نام سن رکھا تھا۔ اور آج پہلی بار کسی دور دراز ملک سے صرف اس شہر کی شہرت سن کر دیکھنے آئے ہیں ان کے لباس اور حلیئے یہاں والوں سے بالکل مختلف نظر آرہے تھے ان کی باتیں یہاں والوں سے بالکل

مختلف تھیں ان کی اردو۔ غیر ملکی انگریزوں کی طرح بہت شکستہ تھی۔ ان کے اشارے کنائے۔ نیم پاگلوں کی طرح تھے۔

غرض انہوں نے اپنے آپ کو اس قدر بدل لیا تھا کہ ہر شخص عجیب نگاہوں سے دیکھنے کے باوجود ان کی اصلیت سمجھنے سے قاصر تھا اور وہ اپنے کردار کو بڑی ہی خوبی سے ادا کرتے چلے جا رہے تھے۔

مسٹر جو لیا۔ میری۔ اور پرنسپل صاحب پہلے ہی باہر آچکے تھے مسٹر جون نے ایک ٹیکسی کو بلا کر کہا۔

گرین بلڈنگ چلو گے۔ ؟"

جی ہاں لیکن رات کا وقت ہے اور آپ جانتے ہیں کہ راستہ کس قدر خطرناک ہے۔

وہ ابھی اپنا جملہ ختم نہیں کر سکا تھا کہ وہ بولے۔

ہم تم کو منہ مانگا انعام دیں گے۔ اے قلی۔ سامان پیچھے رکھ دو۔ آیئے مس صاحبہ" انہوں نے کہا۔ اور میری۔ پرنسپل صاحب کے ساتھ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی قلی سامان رکھ چکا تھا جون نے اس کو پانچ کا ایک نوٹ دیکر ٹیکسی ڈرائیور سے کہا چلو" اور ٹیکسی آگے بڑھنے لگی۔

ابھی ان کو گئے ہوئے چند سکنڈ ہی ہوئے تھے کہ فریدا اور شمس بھی آگئے تو قلی نے کہا صاب وہ میم صاب تو چلا گیا۔"

شمس نے چونک کر کہا۔

کدھر گیا۔ تم"

گرین بلڈنگ کا نام لیا تھا اس کے صاحب نے"

اوہ تم جانتا ہے۔ یہ بلڈنگ کہاں ہے؟"

ہاں صاب جانتا ہے ۔ مگر وہاں جا نہیں سکتا۔"

کیوں ؟"

وہ بہت خطرناک جگہ ہے۔"

کیسا خطرناک جگہ ہے ؟"

وہ بالکل جنگل میں ایک پہاڑی پر بنا ہے اور اس وقت تو وہاں ریچھ گھوم رہے ہوں گے۔

اچھا ویل۔ تو پھر وہاں پر کون جاتا ہے۔؟"

صاب شکاری لوگ جا کر وہیں ٹھہرتا ہے دن بھر گھومتا ہے۔ رات کو شکار کرتا ہے۔ وہاں تو بغیر بندوق کے بھی دن میں بھی کوئی نہیں جاتا۔ قدم قدم پر جنگلی جانور پھرتا ہے اگر خالی ہاتھ ہو تو پھر کبھی واپس نہیں آتا۔

او ڈیئر۔ تب تو بہت خطرناک جگہ ہے۔"

جی ہاں صاب۔"

مگر ہم تو اس ملک کا تفریح کرنے ولایت سے آیا ہے۔"

ایسا بات ہے تو دن میں جانا رات میں کوئی نہیں لے کر جائے گا۔

پھر ان کو کیسا لے گیا ؟"

ڈ ٹیکسی والا پاس کے ایک گاؤں میں رہتا ہے اس واسطے لے کر چلا گیا۔

اچھا ہم پوچھتا ہے اگر ٹیکسی گیا تو ہم ابھی جائے گا نہیں تو پھر صبح جائے گا۔"

فریدی نے آہستہ سے کہا۔

اس وقت کسی ہوٹل میں ٹھہر جاؤ۔ صبح دیکھا جائے گا۔

شمس بھی اسی طرح بولے۔

"معلوم ہوتا ہے جون اپنی چال میں کامیاب ہو گیا۔"

"یہ تم دیکھو۔ اور سوچو۔ کیسا کامیاب جال ڈالا ہے اُس نے۔"

"پھر کیا کرنا چاہیئے"؟

"پہلے کسی ہوٹل میں سامان تو رکھو"

"اچھا۔ اے قلی ٹیکسی بلاؤ" ہم ابھی ہوٹل جانا مانگتا ہے"

"بہت اچھا صاحب"

قلی نے کہا اور بھاگ کر ایک ٹیکسی کو بلا لایا۔ جس نے چند ساعت کے بعد شمس اور فریدہ کو ایک عالیشان ہوٹل پہنچا دیا۔ اور یہ دونوں اپنے کمرے میں پہنچ کر رات گذارنے کے خیال سے لیٹ گئے مگر آنکھوں سے نیند تو پہلے ہی غائب ہو چکی تھی۔ اس لئے شمس بولے

"کیا کیا جائے فریدہ۔ مجھے تو نیند نہیں آتی"؟

"نیند آئے یا نہ آئے۔ بہرنوع رات تو یہاں گذارنی ہے۔"

"تم رات گذارنے کو کہہ رہے ہو۔ اور مجھے ایک لمحہ گذارنا بار معلوم ہو رہا ہے۔ نہ معلوم اس بے چاری پر کیا مصیبت آگئی ہو گی۔"

"اس رات تو کچھ نہیں ہو گا۔ اور پھر پرنسپل صاحب بھی تو موجود ہیں"

"جب دو ملازم، اور جج صاحب لاپتہ ہو سکتے ہیں۔ تو پرنسپل صاحب کو اپنے راستہ سے ہٹانے میں کیا دیر لگے گی۔"

"یہ تو اچھا ہے اس کم بخت موٹے نے مجھے بھی تو خوب تنگ کیا تھا۔ اب ذرا معلوم ہوگا، بیٹا کو آٹے دال کا بھاؤ"

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں۔ خدا کے لئے کچھ سوچو"

"کچھ کیا سوچوں؟ نئی جگہ ہے پھر قلی نے جو کہا ہے ان باتوں کا بھی دھیان رکھنا

ہوگا۔ ورنہ بلاوجہ جان سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔"

"مجھے اپنی موت کا خوف نہیں لیکن میرتی کی عزت نجم صاحب اور پرنسپل صاحب کی زندگی کا خیال ہے۔"

"کسی کی مدد کرنے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اپنی جان خطرے میں ڈال دو۔"

"تم نہیں جانتے فریدی۔ میرتی کی عزت میری عزت ہے۔"

"اچھا جی! تو یہ معاملہ ہے؟ شکر ہے خدا کا تم کچھ کھلے تو سہی۔"

"دیکھو فریدی۔ یہ وقت مذاق کا نہیں۔ جلدی کوئی ترکیب سوچو۔"

"ترکیب سوچوں؟"

"ہاں میرا دماغ بالکل بیکار ہو چکا ہے۔"

"محبت میں تو نہ معلوم کیا کیا بیکار ہو جاتا ہے۔"

"واقعی محبت میں تو معلوم کیا کیا بیکار ہو جاتا ہے۔ خیر اب چونکہ تم نے اصل بات کہی ہے اس لئے میں ضرور کچھ نہ کچھ سوچوں گا۔ ہاں ٹھیک ہے۔"

"کیا۔؟"

"بس چلو۔"

"کہاں؟"

"نیچے۔"

"نیچے چلنے سے کیا ہوگا؟"

"بس خاموشی سے چلے آؤ۔"

شمس اور ان کے پیچھے پیچھے فریدی منیجر کے کمرے میں پہنچے اور ڈیوٹی انچارج سے ٹیلیفون ڈائرکٹری طلب کی اور گرین بلڈنگ کا نمبر تلاش کر کے وہاں فون کیا۔

"یس۔ میں بول رہا ہوں۔"

کون مینجر ؟"

جی ہاں سنائیے کیا رہا۔ ؟

سب ٹھیک ہو گیا۔

وہ آ گئی ؟

بھلا میرا داؤ ایسا ویسا تھوڑی ہو سکتا ہے۔

مبارک ہو۔

ہی ہی ہی ۔

مگر یہ تو بتاؤ۔ کیا اکیلی آئی ہے۔ یا اور کوئی بھی ہے۔

تم کہاں سے بول رہے ہو۔ ؟

ہوٹل سے ۔

اچھا اچھا۔ بھئی وہ پرنسپل میڈم کا محافظ بن کر آیا تھا میں نے راستہ ہی میں صاف کر دیا۔

کیا مطلب ؟

مطلب یہ کہ وہاں پہنچا دیا۔ جہاں وہ دونوں نوکر اور پرنسپل صاحب ہیں۔"

وہ کیسے ۔"

یہ سب کچھ پھر بتاؤں گا۔

اچھا۔ یہ تو بتاؤ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ ؟

رو رہی ہے خدا کے واسطے دے رہی ہے۔"

لیکن احتیاط سے رکھنا۔"

صبح تک خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔ نہیں تو پھر تہہ خانے پہنچا دوں گا۔

اور تمہاری دوسری میڈم کیا فرما رہی ہیں "؟
وہ تو بہت خوش ہیں۔
شاید اس لئے کہ وہ ان کی سوت ہیں۔؟
جی نہیں۔ بلکہ۔ یہ ان کی توہین کا بدلہ ہے "
اچھا۔ یہ معاملہ ہے۔؟"
ہوں۔"
لیکن یار۔ اس کو باپ سے تو ملا دیا ہوتا "
اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو کل ملا دوں گا ورنہ پھر کبھی دیکھا جائے گا۔"
لیکن آج زیادہ سختی مت کرنا "
نہیں آج تو سمجھاؤں گا "
میرے خیال میں تم شادی کر لو "
یہی میرا ارادہ بھی ہے۔ اچھا اب تم ان سے بات کرو۔ میں چلتا ہوں اور ہاں یہ بتاؤ کب ملاقات ہوگی۔؟"
پھر تو ابھی آجاؤں؟"
اس وقت کیا کرو گے "
تمہاری نئی مس صاحبہ کو ایک نظر دیکھنا چاہتا ہوں "
تمہاری مرضی ہے۔ آنا چاہو، چلے آؤ۔ لیکن میرا خیال ہے کل آتے تو اچھا تھا۔ خیر اب ان سے بات کرو۔ میں ذرا انہیں کھانا تو کھلا دوں "
ضرور ضرور!"
اور مجیب نے ریسیور رضیہ کو دے دیا۔ وہ بولی۔

منیجر صاحب گڈ نائٹ ؛

گڈ نائٹ فرمائیے۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ ؟"

یہ سب میری توہین کا بدلہ ہے ؛

یہ بدلہ نہیں ہے محترمہ بلکہ حمدان کے دوسرے خیالات ہیں ۔

وہ کیا ؟ ذرا میں بھی تو سنوں ؛

یعنی تمہیں تو بے وقوف بنا کر اب تک رکھا۔ اور اب میری آ سے شادی کرے گا ؛

میں یہ کبھی نہیں ہونے دوں گی

اس طرح نہیں۔ بلکہ اس کو میری کے قریب اس وقت تک مت جانے دو۔ جب تک وہ تم سے شادی نہ کرے، ورنہ ـــــ سمجھ لو ـــ زندگی بھر روتی رہو گی ؛

کہتے تو ٹھیک ہو ؛

لیکن دیکھو تم نہایت ہوشیاری سے ورنہ وہ میرا دشمن ہو جائے گا۔"

تم اطمینان رکھو میں یہ کہوں گی کہ اب وہ تمہارے قبضہ میں ہے اس لئے مجھ سے پہلے شادی کر لو اسکے بعد جو تمہارا دل چاہے کرتے رہنا۔ یہی میرا اس کا وعدہ بھی ہے ؛

نبات اپنے میں کیا میری لگتی ہے اس لئے پہلے اپنا الو سیدھا کر لو ؛

میں ابھی ایسا ہی کروں گی اچھا ہوا جو تم نے بتا دیا ورنہ میں تو اس کی باتوں میں آ ہی چکی تھی۔ اچھا پھر ملوں گی۔ اب اجازت دو۔ ذرا ادھر جا کے دیکھوں۔ کیا ہو رہا ہے ؟

ضرور تم رو ک مقام کرو۔ میں ابھی آتا ہوں ؛

ہاں اگر تم آ جاؤ تو کام ہی بن جائے گا ؛

اچھی بات ہے۔" دونوں ایک ساتھ ریسیور رکھ کر چل دیئے رضیہ تو اس کمرے میں چلی گئی جہاں میری بیٹھی اپنی قسمت پر آنسو بہا رہی تھی

رات کافی گذر چکی تھی۔ ہر طرف بھیانک قسم کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ مگر شمس اور فریدی مسلسل جاگ رہے تھے ان کی آنکھوں سے نیند کی ساری غفلتیں نہ جانے کہاں غائب ہو گئی تھیں۔ ان کا ذہن میری کی مصیبت میں الجھا ہوا تھا لیکن ایسی کوئی ترکیب نظر نہیں آرہی تھی جس کی آڑ میں وہ اس کو ظالم جوآن کے چنگل سے نکال سکتے۔ اس لئے دونوں خاموش تھے۔ اور خیالات کا طوفان امنڈتا چلا آرہا تھا۔ آخر ایک ترکیب شمس کے ذہن میں آئی اور وہ ٹہلتے ہوئے بولے۔

اب سوائے اس کے کوئی صورت نہیں ہے کہ پولیس کی مدد لی جائے۔

میں کبھی اس کی رائے نہیں دوں گا۔"

کیوں؟"

اس لئے کہ دشمن بہت چالاک ہے۔ وہ یقیناً اس قسم کا بندوبست بھی کر چکا ہوگا۔ اس لئے اگر پولیس پارٹی گئی تو اس کو فوراً اطلاع ہو جائے گی اور ممکن ہے وہ اس مداخلت کی قیمت میری کی زندگی سے لے لے۔

لیکن اس طرح خاموش بیٹھنا بھی تو خطرناک ہے؟ آخر ایک مجبور لڑکی ان حالات میں اپنی عزت کا تحفظ کس طرح کر سکتی ہے۔ جبکہ وہاں صرف اس کے حریف کا راج ہے۔ اس بدکار کی حکمرانی ہے؟

میرے خیال میں ہم منیجر کی آڑ لے کر بڑی آسانی سے وہاں پہنچ سکتے ہیں اس کے بعد جیسا ہوگا دیکھا جائے گا؟

تو پھر اٹھو۔ دیر کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟ سوٹ کیس میں سے تمام

کارتوس اور ٹارچیں نکال لو۔"

لیکن وہاں تک پہنچنے کے لئے سواری؟

اگر کوئی سواری نہیں ملتی ہے تو ہم پیدل جائیں گے؟

تم نہیں مانتے تو چلو۔"

ہاں۔ اب دیر کرنے کی ضرورت نہیں ہے مقدر کا لکھا تو ہر حالت میں پورا ہوتا ہے اور موت کا ایک دن معین ہے۔ اس وقت سے پہلے نہ کوئی مار سکتا ہے اور نہ اس گھڑی کو کوئی ٹال سکتا ہے یہ ایک مسلمان کا ایمان ہے تمہیں اپنے ایمان پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔

اچھا چلو۔" فرید اٹھ کھڑے ہوئے تو شمس نے کہا۔

میرا میک اپ ٹھیک ہے۔؟"

ہاں۔ ابھی تک تو ٹھیک ہے۔ شاید وہاں جاکر بگڑ جائے۔"

پھر وہی مذاق، آخر تم کب انسان بنو گے۔

موت کے منہ میں چل رہے ہیں اس وقت تو کچھ نہ کہو۔"

دل چھوٹا نہ کرو۔ ہم انشاء اللہ شاد کام لوٹیں گے۔ کارتوس لے لئے۔

سب کچھ لے لیا ہے۔"

بس تو پھر آؤ۔"

شمس کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ اور فرید نے تالا لگا کر بیرے سے کہہ دیا کہ ہم لوگ صبح تک آئیں گے منیجر کو ہمارے جانے کی اطلاع کردینا۔"

وہ اپنا جملہ ختم کرکے تیزی سے طے کرتے ہوئے۔ ہوٹل سے باہر نکل آئے سڑک پر چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کہر کی وجہ سے تمام راستے دھندلے دکھائی دے رہے تھے مگر ان کے قدم برابر آگے بڑھ رہے تھے۔

آخر کار ایک ٹیکسی اسٹیشن پر جا پہنچے۔ جہاں صرف ایک ہی ٹیکسی موجود تھی اور ڈرائیور بیٹھا اونگھ رہا تھا کہ فریدی نے کہا۔

دل ٹیکسی ڈرائیور تم گرین بلڈنگ چلے گا۔؟

ڈرائیور نیند سے چونک کر بولا۔

سر وہ بہت خطرناک جگہ ہے۔"

تم اس کا فکر مت کرو ہم تمہارے ساتھ ہے۔"

نہیں سر۔ ہم رات میں اس بلڈنگ تک نہیں جائے گا۔

ہم تم کو خوش کر دے گا۔"

وہ ٹھیک ہے صاحب لیکن وہاں شکاری ٹھہرتے ہیں اس وقت شکار ہو رہا ہو گا۔ اگر کوئی لگ گئی۔ تو ہمارا جان جائے گا۔ اور ہمارا بچہ بھوکوں مر جائیگا

اچھا تو پھر ہم کو روڈ پر چھوڑنا مانگتا۔

روڈ پر۔"

بس۔ ہم خود چلا جائے گا ہم کو تم گرین بلڈنگ کے قریب چھوڑنا مانگتا۔ پھر ہم تھوڑا پیدل چلنا مانگتا۔ ٹھیک ہے دل۔؟

اچھا صاب۔ ہم چلتا ہے۔"

دل جلدی چلنا مانگتا۔ ہم تم کو پیسہ دے گا۔"

بیٹھئے صاحب۔"

اور دونوں ٹیکسی میں بیٹھ کر گرین بلڈنگ کی جانب روانہ ہو گئے۔

⁘

راستہ انتہائی خطرناک اور پر پیچ قسم کا تھا۔ قدم قدم پر جنگلی جانور گھوم رہے تھے چاروں طرف سے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد گولی چلنے کی آوازیں آرہی تھیں سڑک کے دونوں جانب کھڑے ہوئے پہاڑ۔ جنگلی درختوں اور بیلوں سے ڈھکے ہوئے رات کی سیاہی میں بہت ہی پر ہیبت دکھائی دے رہے تھے دور دور تک روشنی کا نام و نشان نہیں تھا۔ تاریکی نے زمین و آسمان کو ملا کر ایک کر دیا تھا جس کا سینہ چیرتی ہوئی ٹیکسی آگے بڑھ رہی تھی اور دونوں طرف کھڑے ہوئے پہاڑوں کے درمیان کی بھیانک فضا میں عجیب قسم کا بے ہنگم شور پیدا ہو رہا تھا۔

ٹیکسی اپنی پوری رفتار سے منزل کو قریب کھینچنے کی کوشش کر رہی تھی مگر شہر سے چالیس میل کا فاصلہ دو چار منٹ میں کیسے طے ہو سکتا تھا۔ عشق پیچاں کی بیل کی طرح پھیلی ہوئی خم دار سڑک جس نے زندگی کی پر پیچ راہوں کو بھی پیچ کر دیا تھا۔ اتنی آسانی سے کس طرح ختم ہو سکتی تھی۔ اور جوں جوں وقت گذرتا گیا۔ شمس کے دل پر گھبراہٹ پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ جس قدر جلد ممکن ہو۔ مہرتی کے نزدیک پہنچ جائیں۔

بالآخر مسلسل دو گھنٹہ ایک ہی رفتار سے چلنے کے بعد ٹیکسی گرین منزل کے نزدیک پہنچ گئی تو ڈرائیور نے کہا۔

لو صاحب گرین منزل آگیا" اور ایک جھٹکے سے ٹیکسی رک گئی۔ شمس نے جلدی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ قیامت کی ہیبت برس رہی تھیں موت کا سناٹا

چھایا ہوا تھا۔ جس میں پہاڑوں سے ٹکرانے والے ہوا کے جھونکے دل ہلا دینے والی آوازوں سے ہوشیار رہنے کی تلقین کر رہے تھے کہر کی وجہ سے ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس لئے شمس نے گھبرا کر کھڑکی سے منہ اندر کرتے ہوئے کہا۔

کتنا پیسہ منگتا تم ؟"

جو آپ دے دیں"

پچاس روپیہ ٹھیک ہے۔"

ٹھیک ہے صاب؟

اور فرید پچاس روپے ٹیکسی والے کو دے نیچے اتر پڑے، ڈرائیور نے سلام کیا اور دوسرے ہی لمحہ ٹیکسی پھر ہوا سے باتیں کرتی ہوئی۔ ایک فلک بوس پہاڑ کے جگر میں سما گئی۔ اب چاروں طرف سوائے ان دو انسانوں کے اور کوئی نہیں تھا۔ ان کے سیاہ اوورکوٹ بھی سیاہی میں حل ہو گئے ان کی آنکھیں اندھیروں کو چیرنے میں ناکام رہیں۔

لیکن ٹارچ کی روشنی نے ایک گز تک ان کی رہنمائی کی اور یہ آہستہ آہستہ ریوالور سنبھالے آگے بڑھتے رہے۔ ان کے قدم سڑک سے ہٹ کر پہاڑی پتھروں کو اس طرح روند رہے تھے۔ جیسے کوئی حسینہ گلاب کی پنکھڑیاں اپنی نازک انگلیوں سے چھو رہی ہو۔ اسی لئے ان کے قدموں کی آہٹ نہیں تھی۔ بلکہ یہاں کی زمین پر بسنے والے ریچھوں کی مانند یہ بھی ان راستوں سے گریز منزل کی طرف بڑھ رہے تھے جہاں سے کوئی ان کو اپنا شکار سمجھ کر گولی کا نشانہ بھی بنا سکتا ہے۔

یہ راستہ انتہائی خطرناک تھا اگر ایک قدم بھی ادھر سے ادھر ہو جاتا تو یقین تھا کہ وہ موت کی گود میں سو جاتے۔

آخر کار تقریباً ایک گھنٹہ کی مسلسل جدوجہد کے بعد دونوں نے بہت احتیاط سے دو فرلانگ کا راستہ طے کیا۔ جو کہ تین منزل تک پہنچتا تھا اور جب وہ وہاں پہنچ گئے تو حالات کا جائزہ لینے کے لئے بلڈنگ کے اندر اس طرح داخل ہوئے جیسے یہ بھی کوئی جنگلی جانور ہیں دونوں چاروں ہاتھ پیروں سے چل کر بلڈنگ کے عقب میں پہنچے تو ان کو ایک کمرے کے اندر سے چھن کر باہر آنے والی روشنی دکھائی دی دونوں وہیں رک گئے اور اندر ہونیوالی باتوں کو سننے کی کوشش کی مگر ہوا کی تیزی اور شور کی وجہ سے کچھ سمجھ میں نہ آسکا۔ آخر کار شمس نے آہستہ سے کہا۔

معلوم ہوتا ہے میری اسی کمرے میں ہے۔"

میرا بھی یہی خیال ہے۔"

مگر دیکھا، کیسے جائے۔

تم میرے کاندھوں پر کھڑے ہو کر دیکھ لو۔"

اور اس طرح شمس فرید کے کاندھوں پر کھڑے ہو کر اندر کے حالات دیکھنے لگے

کمرے میں دو ٹیوب لائٹ روشن تھیں اور جدید طرز کا سامان بہت ہی قرینے سے ترتیب دیا گیا تھا۔ جس میں ایک مسہری پر میری بیٹھی آنسو بہا رہی تھی اور قریب میں جوناتھن کھڑا رضیہ سے کہہ رہا تھا۔

میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اس کو ضرور پورا کروں گا۔ لیکن اس وقت میرے راستے سے ہٹ جاؤ۔"

نہیں۔ یہ کبھی نہیں ہو سکتا جب تک اپنا وعدہ پورا نہیں کرو گے میں تمہیں اس کے قریب نہیں جانے دوں گی۔ آخر یہ تمہارے قبضہ میں ہے اور کل رات بھی آئے گی۔ پھر آج ہی کیا خصوصیت ہے؟"

تم نہیں جانتی ہو ڈارلنگ۔ اس کی وجہ سے میرے کئی دشمن پیچھا کر رہے ہوں گے۔"

لیکن تم نے تو یہ کہا تھا۔ میں اس طرح سے کر آیا ہوں۔ جس پر کسی کو بدگمانی نہیں ہو سکتی۔؟

وہ ٹھیک ہے۔ مگر۔۔۔"

اگر مگر کچھ نہیں۔ بس اب تو مجھ سے شادی کرنے کے بعد ہی تم اس کے قریب آسکتے ہو۔"

آخر تمہیں مجھ پر بھروسہ کیوں نہیں ہے۔؟

بھروسہ احمق انسان کسی پر کیا کرتے ہیں۔"

جون نے تیور بدلتے ہوئے کہا۔"

دیکھو رضیہ۔ جس طرح یہ میری قید میں ہے۔ اسی طرح تم بھی میری قید میں ہو اور ایک قیدی کو کبھی اتنی جرأت نہیں ہوتی مگر ہم نے تمہیں کبھی اپنا مجرم تصور نہیں کیا۔ اس لئے ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ۔ نہیں تو"

نہیں تو تم کیا کروگے۔؟

تم ہماری طاقت کا اندازہ کرنا چاہتی ہو۔؟"

ایک عورت کو اپنے فریب سے لوٹ کر اور ایک کو عیاری سے یہاں لا کر تمہیں اپنی طاقت کا گھمنڈ ہو گیا ہے۔"

تم ہماری غیرت کو للکارنے کی کوشش مت کرو۔ ورنہ ہمارے طیش کی آگ میں جل کر راکھ کا وہ ڈھیر بن جاؤ گی، جس کو ہوا کے جھونکے اپنے ساتھ اڑائے جاتے ہیں۔

مسٹر جون۔! تم نے ابھی تک عورت کی محبت دیکھی ہے اس کا خلوص دیکھا دیکھا ہے۔ اس کا قہر نہیں دیکھا۔ اگر میری سوئی ہوئی انسانیت جاگ اٹھی تو اس کا انجام تمہارے لئے بہت خطرناک ثابت ہوگا۔

" یہاں جوآن کی حکومت ہے، جوآن کا راج ہے۔ اور تم میرے قبضہ میں ہو۔ تمہاری زندگی اور موت میرے ہاتھ میں ہے اگر خیریت چاہتی ہو تو ہٹ جاؤ۔
نہیں۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے یہاں سے نہیں ہٹا سکتی۔
یہ بات ہے ؟"
ہاں ۔"
اور جوآن نے رمنیہ کے دونوں ہاتھ پیچھے سے پکڑ کر اسے کمرے سے باہر پھینک دیا۔ گرنے کی وجہ سے اس کی نازک چیخ پہاڑوں سے ٹکرا کر کھو گئی اور جب تک اس نے اٹھنا چاہا۔ کمرے کا دروازہ بند ہو گیا۔ اب اس میں بد قسمت میری اور ظالم جوآن تھا۔ جس کی آنکھوں سے گناہ کے شعلے نکل رہے تھے جس کی سانس میں طوفان کی تیزی تھی جس کے ہاتھ میری کو لوٹنے پر آمادہ تھے کمرہ بند تھا۔ رمنیہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس لئے جوآن نے میری کے نزدیک پہنچتے ہوئے کہا۔
دیکھا ڈارلنگ! میرے راستہ میں جو بھی چیز آتی ہے میں اس کو کس طرح پھینک دیتا ہوں ۔"
تو کمینہ ہے، ذلیل ہے۔ بے غیرت ہے۔ ہٹ جا یہاں سے۔"
خوب بہت خوب۔ غصہ میں تو اور بھی حسین دکھائی دیتی ہو۔ لیکن خیر۔ میں جانتا ہوں۔ آج کی رات تمہاری زندگی کی وہ رات ہے جس میں انکار ہی انکار رہتا ہے مگر اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ میں بھی تمہاری ان باتوں پر کوئی توجہ نہیں دوں گا۔
اس نے اپنا جملہ ختم کرتے ہی میری کو پکڑنا چاہا تو وہ کود کر دور جا گری جوآن نے بڑھ کر اس کو پھر پکڑنے کی کوشش کی مگر وہ ہر بار اپنے آپ کو اس کے

ناپاک ہاتھوں سے بچاتی رہی جال میں پھنسے ہوئے ایک بے جان پرندے کی طا پھڑپھڑا کر ادھر سے ادھر ہٹتی رہی تاکہ صیاد اس پر رحم کھا کر اس کو آزاد کر مگر اس لئے جال نہیں لگایا جاتا کہ اس میں پھنسنے والے بے زبان پنچھیوں کو آ کر دیا جائے یا ان پر رحم کھا کر ان کو چھوڑ دیا جائے۔ پھر جوآن ہی کیوں رحم کھاتا آخر گھنٹہ کی مسلسل جدوجہد کے بعد وہ تھک کر چور ہو گئی تو جوان کے طاقتور ہاتھوں اس کے مرمریں جسم کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اور اس کے بعد ہزار کوشش کے با وہ خود کو جون کی گرفت سے آزاد نہ کرا سکی۔

یہ تمام حالات شمسن بغور دیکھ رہے تھے اور جب ان کی نگاہوں نے یہ دیکھا کہ اب جون اپنے ارادوں میں کامیاب ہونے والا ہے تو جیب سے ریوا نکال کر فائر کرنا چاہا تو فرید بولے۔

ہوائی فیر کرو۔"

کیوں؟

فرید نے بغیر جواب دیئے ایک ہوائی فائر کر دیا جس کی آواز سنتے ہی جوآ نے میری کو چھوڑ کر چاروں طرف بغور دیکھا۔ اور یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ رقیبہ کی حرکت ہو گی کھڑکی کھول کر دیکھا۔ مگر وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ جوآن کو فوراً خیال ہوا کہ اس کی قید میں چار انسان اور بھی ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ رضیہ ان کو رہا کر دے۔ یہ سوچتے ہی وہ کمرے کا دروازہ کھول کر اس کمرے کی طرف چل دیا جہاں ایک تہ خانے میں وہ سب موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھے۔

اس موقع کو غنیمت جان کر میری نے دروازہ بند کر دیا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تو شمسن نے روشن دان سے جھانکتے ہوئے کہا۔

میری میری ... ؟

اس نے چونک کر دیکھا۔

"میں ہوں شمسی۔ میری تم فوراً باہر نکل آؤ"

اور میری فوراً کمرے سے باہر نکل کر دوسرے کمرے میں پہنچ گئی۔ اس کا دروازہ بند کیا تاکہ جون آ کر پھر اس کے راستے میں نہ کھڑا ہو جائے۔ اس کے بعد وہاں سے تیسرے کمرے میں پہونچی اس کے تمام دروازے بند کئے اور بلڈنگ کے عقبی حصہ میں پہنچ گئی۔ جہاں فرید اور شمس کھڑے تھے۔

میری کی نگاہوں نے جیسے ہی شمسی کو دیکھا وہ بے اختیار اس سے لپٹ گئی شدت غم سے بے اختیار اس کے آنسو بہنے لگے۔ شمسی سے بھی ضبط نہ ہو سکا انہوں نے بھی اس کو اپنے بازوؤں کی گرفت میں لے لیا۔ آج پہلی بار وہ ان کے اس قدر قریب آئی تھی اس لئے دونوں مل کر تاریکی میں ایک سایہ بن گئے اور فضا میں میری کی سسکیاں گونجنے لگیں تو فرید نے کہا۔

"یہ کیا کرتے ہو۔ اگر اس کو ذرا بھی سن گن ہو گئی۔ تو پھر ہم آسانی سے نہیں جا سکیں گے" یہ وقت اس طرح برباد کرنے کا نہیں ہے بس جلدی سے نکل چلو۔"

اور وہ دونوں علیحدہ ہو گئے تو فرید نے اپنا اوورکوٹ اتار کر میری کو پہنا دیا کیونکہ وہ ایک کوٹ فالتو لائے تھے۔ غرض اس طرح یہ تینوں سیاہ کوٹوں کی آڑ میں چاروں ہاتھ پیروں سے چلتے وقت رات کی تاریکی میں ریچھ کا چربہ بن گئے۔ اور اس طرح بغیر کشت و خون کے گرین بلڈنگ سے باہر نکل آئے رات کے تین بج رہے تھے ہر طرف وہی بھیانک تاریکی میں پہاڑوں سے ٹکرا کر ہوا کا شور گونج رہا تھا۔ اور یہ ان ہی خطرناک راستوں کو طے کرتے ہوئے ٹھیک پانچ بجے سڑک کے نزدیک پہنچ کر۔ دن کے نکلنے کا انتظار

کرنے لگے۔ کیونکہ چالیس میل تک پیدل چلنا بہت مشکل تھا اس لئے فرید نے کہا۔
میرے خیال میں یہاں سے تھوڑی دور آگے چل کر ٹھہریں تو مناسب۔
کیونکہ اگر اس نے ہمارا پیچھا بھی کیا تو ہم اپنے تحفظ کا پورا پورا انتظام کر چکے ہو
اور سب سے پہلے مس میری کا میک اپ تبدیل کرنا ضروری ہے تاکہ وہ شناخ
نہ کر سکے اور ہم اس شہر سے بآسانی نکل جائیں۔
شمس نے کہا،
ٹھیک ہے جلدی چلو۔
اور پھر تینوں چلنے لگے یہاں تک کہ ان کا ہلکا ہلکا اجالا۔ مشرق سے نمو
ہونے لگا۔ تو فرید ایک پہاڑ کی گہری کھوہ میں چھپ کر بیٹھنے کے بعد میری کا
میک اپ تبدیل کرنے لگے۔ اس طرح چند ہی ساعت کے بعد وہ ایک نوعمر لڑکے
کے روپ میں بدل گئی اب اس کے حواس کچھ کچھ قائم ہو چکے تھے اس لئے اس
نے فرید اور شمس کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔
اوہ آپ تو بالکل پہچان میں نہیں آ رہے ہیں۔
فرید نے کہا۔
اسی کا نام تو آرٹ ہے مس صاحبہ۔
کمال ہے۔ آپ دونوں تو ٹرین میں میرے ساتھ ہی تھے۔
جی ہاں۔ لیکن اس وقت آپ ایک مغربی لڑکا ہیں اس لئے اردو بولنے
کی ضرورت نہیں ہے اور دیکھو شمس تم ان کو لے کر سیدھے یا تو کانپور چلے جاؤ
ورنہ اپنے گھر چلے جاؤ۔ میں ان کے ڈیڈی اور پرنسپل صاحب کی رہائی کا سلسلہ
کروں گا۔
شمس نے کہا۔

اب ہم ساتھ ہی چلیں گے۔

جی نہیں۔ آپ رخصت ہو جائیے۔ بس یہی مناسب ہے۔

اچھا مگر تم ان کے ڈیڈی کے لئے کیا کرو گے۔؟

پولیس کے ذریعہ اس کام کو کر لوں گا۔

یہ ٹھیک ہے۔ دیکھو شاید کوئی ٹیکسی آ رہی ہے۔

اور شمس نے سڑک پر نظر ڈالتے ہوئے دور سے آنے والی کار کو ہاتھ دے کر روک لیا۔ قیاس کے مطابق وہ ٹیکسی ہی تھی اس لئے تینوں بیٹھ کر شہر روانہ ہو گئے جہاں سے شمس تو میری کو لے کر کانپور چلے گئے اور فریدے نے پولیس اسٹیشن کا رخ کیا۔

جون میری کے کمرے سے نکل کر سیدھے تہ خانے کی طرف گئے تھے۔ تاکہ رضیہ ان کے قیدیوں کو رہا نہ کر دے۔ اور یہی ہوا کہ جب وہ وہاں پہنچے تو کوئی بھی نہیں تھا۔ رضیہ نے ان سب کو بے معیاد قید سے رہا کر دیا تھا۔ مگر چونکہ راستہ بہت ہی خطرناک اور خراب تھا اس لئے وہ تھے اسی بلڈنگ میں موجود۔ اور چونکہ عمارت چھوٹی سی نہیں تھی۔ اس لئے جون انہیں کافی عرصہ تک تلاش کرتے کرتے تھک چکے تھے مگر جب ان میں سے کسی ایک کا پتہ نہیں لگا تو انہیں فوراً خیال آیا کہ کہیں میری کو نکال کر نہ لے جائیں۔ اس لئے وہ سیدھے اس کمرے کی طرف گئے، تو میری جا چکی تھی۔

اپنی اس منہ توڑ شکست پر ان کا منہ غصہ سے سرخ ہو گیا ان کے ہاتھ پیر

کانپنے لگے۔ ان کا دماغ عورت کی اس حرکت پر انتقام کے لئے پکارنے لگا تو وہ دوڑ کر اپنے کمرے میں گئے تاکہ انتقام کی آگ کو ریوالور سے ٹھنڈا کر سکیں مگر رضیہ نے سب سے پہلے ریوالور اور کارتوس پر ہی قبضہ کیا تھا۔ یہ دیکھ کر ان کے غصہ کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی مگر اب کوٹھی سے باہر قدم نکالنا ان کے لئے خطرناک تھا اس لئے دن کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے۔

وہ تو اس سلسلہ میں ٹہل ٹہل کر وقت کاٹ رہے تھے اور یہ سب گرین ہلز کے مالی کی کوٹھڑی میں پیچھے کھڑے جون کے نکلنے کا انتظار کر رہے تھے اور رضیہ ایک بھوکے شیر کی طرح اپنے حریف کو ختم کرنے کا منصوبہ بنا رہی تھی۔ اس کی نازک پیشانی پر پسینے کے قطرے نمودار ہو چکے تھے اس کے دل کی دھڑکنیں جون سے انتقام لینے پر آمادہ تھیں۔ آخر کار جب اس کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا تو وہ اس خیال سے کمرے سے باہر نکل آئی کہ وہ ہوس پرست اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے میری کی عزت سے کھیلنے کی کوشش ضرور کر رہا ہوگا۔ اور اگر وہ اس منصوبے میں کامیاب ہو گیا تو مجھے زبردست شکست ہو جائے گی۔

اس خیال کے آتے ہی وہ اس کوٹھڑی سے نکل کر سیدھی پھر اسی جگہ آ گئی جہاں سے ان سب کو نکالا تھا مگر اب اس کو ہر طرف سناٹا دکھائی دے رہا تھا کسی کے چلنے یا رونے کی آوازیں نہیں آرہی تھیں اس لئے فوراً اس کا دل کھٹکا کہ جون نے میری کو زیر تو نہیں کر لیا۔ اگر ایسا ہے تو میں جون کو زندہ نہیں چھوڑونگی اس قسم کا مستحکم ارادہ قائم کرنے کے بعد میری وہ آہستہ آہستہ اس کمرے کے نزدیک پہنچ گئی جس میں کچھ دیر پہلے میری موجود تھی۔ اس نے جھانک کر دیکھا مگر اندھیرے کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آیا کیونکہ جون نے لائٹ آف کر دی تھی اس لئے وہ ایک کرسی پر چڑھ کر روشن دان میں سے اندر جھانکنے لگی۔ مگر اس کو پھر بھی کچھ

نظر نہیں آیا۔ البتہ لمبی لمبی سانسیں کمرے میں گونجتی ہوئی سنائی دیں اور اس کا بدن غصہ
سے کانپنے لگا۔ مگر اس نے ایک بار پھر سمجھنے کی کوشش کی لیکن سانسیں بدستور آ رہی
تھیں وہ کئی منٹ تک ساکت کھڑی یہی جائزہ لیتی رہی۔

اور جوان اپنی نادانی پر صبر و ضبط کی لمبی لمبی سانسیں [illegible] میں بکھیر کر
اپنے تاریک مستقبل کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ ان کا دماغ ایک سنج اور اس کی لڑکی کو
قید میں رکھ کر جیل کی آہنی سلاخوں کے تصور سے کانپ رہا تھا۔ کہ اچانک ایک فائر ہوا
اور جوان کی درد ناک چیخ کمرے کی دیواروں کو چیرتی ہوئی رضیہ کے کانوں سے ٹکرائی اس کا
کے ہاتھ کانپنے لگے دل ڈوبنے لگا مگر ہمت کے سہارے روشندان پر کان لگا کر جوان
کی زندگی کے ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی آخری لو کے ختم ہونے کا انتظار کرنے لگی اس کے
کانوں سے کسی کے تڑپنے کی بے ہنگم آواز پے در پے ٹکرا کر چند ساعت کے لئے ہمیشہ
کے لئے خاموش ہو گئیں۔ اور پھر وہی سناٹا چھا گیا۔

وہ اپنی جگہ سے اتری اور اندر جانے کے لئے دروازہ کھولنا چاہا مگر وہ بند
تھا اس لئے دوسرے فائر سے دروازے کی چٹخنی کھول کر جب وہ اندر داخل ہوئی
تو بالکل وہاں اندھیرا تھا اس نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے سوئچ آن کیا تو جوان کا
مردہ جسم خون میں ڈوبا ہوا اس کی نظروں کے سامنے آ گیا۔ وہ مسکرائی اور اس کا سر
اٹھا کر اپنے زانوں پر رکھتے ہوئے بولی۔

دیکھ لیا تم نے عورت کا انتقام لیکن تم میری محبت ہو میں تمہارے بغیر کس طرح
زندہ رہ سکتی ہوں۔ قانون مجھے تمہارے پاس ضرور پہنچا دے گا لیکن میں اس غم سے زندہ
نہیں رہنا چاہتی میں تمہارے بغیر جیل کی آہنی سلاخوں میں اپنی زندگی نہیں گزار سکتی۔
وہ جوان کی لاش سے یہی باتیں کر رہی تھی کہ کسی نے زور سے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا۔

اگر زندگی چاہتے ہو تو فوراً باہر آجاؤ۔ نہیں تو ہم گولی چلاتے ہیں"
اور وہ یہ سن کر مسکراتے ہوئے پھر جون کی لاش سے بولی۔
دیکھا تم نے قانون کے محافظ آگئے۔ لیکن میں ان کے ساتھ ہرگز نہیں جاؤنگی میں تمہیں چھوڑ کر کبھی نہیں جاؤں گی۔"
یہ کہتے ہوئے اس نے ریوالور اٹھایا اور پھر فائر کی آواز گونجی جس کے بعد چند سکنڈ تک تڑپ کر وہ بھی جون کے پاس پہنچ گئی دونوں کی لاشیں ایک جگہ رہ گئیں۔ اور روحیں آسمان پہ پہنچ کر مل گئیں۔
وہ دونوں اس دنیا سے دور چلے گئے۔ لیکن دروازہ کھٹکھٹانے کی آوازیں اب بھی آرہی تھیں۔ دن کا خاصہ اجالا پھیل چکا تھا۔ لیکن کوٹھی کا دروازہ ابھی تک نہیں کھلا۔ تو پولیس پارٹی نے اسے توڑ دیا۔ کیونکہ فرید سیدھے پولیس اسٹیشن پہنچ کر پولیس کو اپنے ساتھ لے آئے تھے، مگر یہاں نہ جون تھے۔ نہ رضیہ تھی ہاں ان کے خون میں ڈوبے ہوئے جسم ضرور پڑے تھے جن کو دیکھنے کے لئے جج صاحب۔ پرنسپل صاحب اور ان کے دونوں نوکر بھی اندر آئے کیونکہ ان کے حریف کا عبرتناک حشر ہوا تھا جس کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اور اپنی بیٹی کے تصور میں روتے ہوئے باہر آگئے انہیں کیا معلوم تھا کہ سشمی اس کو اس مصیبت سے نکال کر پہلے ہی لیجا چکے ہیں یہ بات ابھی تک فرید نے نہیں بتائی تھی اس لئے کہ وہ بہت زیادہ منہمک تھے۔
آخر کار پولیس نے دونوں کی لاشیں اٹھائیں اور اسی ٹرک میں یہ سب بھی تھانے پہنچے اور بیانات دینے کے بعد فرید کے ساتھ کانپور روانہ ہوگئے۔

فرید سے جدا ہو کر شمس میری کو اپنے ساتھ لئے کانپور پہنچ گئے۔ اب ان کو فرید کی آمد کا انتظار تھا۔ اور میری اپنے ڈیڈی کے تصور میں رو رو کر اپنی جان ہلکان کر رہی تھی۔ اس لئے شمس بھی کافی پریشان تھے۔

ایک تو ان کی تنہائی اور اتنے بڑے کام کا خیال ہی بےچین کئے ہوئے تھا دوسرے میری کے آنسو اُن کے دل میں نشتر کی طرح چبھ رہے تھے مگر حالات نے کچھ اس طرح مجبور کر دیا تھا کہ نہ تو میری کو چھوڑ کر جا سکتے تھے اور نہ ہی اس کی بےچینی دیکھ سکتے تھے۔

آخر اسی طرح ایک دن اور ایک رات گذر جانے کے بعد دوسرے دن صبح دس بجے فرید میاں بخیر و خوبی سب کو اپنے ساتھ لیکر کانپور پہنچ گئے اور جیسے ہی میری نے اپنے ڈیڈی کو دیکھا۔ بے اختیار لپٹ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو برسنے لگے جج صاحب بھی رو رہے تھے۔

پرنسپل صاحب بولے۔

یہ تو خوشی کا موقع ہے بیٹی اس طرح رونے سے کیا فائدہ اور آپ بھی جج صاحب بچوں کے ساتھ بچے بن گئے خدا کا شکر ادا کیجئے کہ اس نے فرید اور شمس کو ایک فرشتہ بنا کر بھیجدیا ورنہ نامعلوم کب تک اس قید خانے میں گذر کرنی پڑتی۔

جج صاحب آنسو پونچھتے ہوئے بولے۔

جی ہاں۔ میں ان دونوں کا بہت ممنون ہوں۔

شمس نے کہا۔

ایسا نہ کہئے۔ یہ میرا فرض تھا جس کو ادا کیا۔"

جج صاحب بولے۔

تم اپنا فرض ادا کر چکے لیکن مجھے اپنا فرض ادا کرنا باقی ہے۔"

پرنسپل صاحب نے لقمہ دیا۔

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اپنے بچوں کا احسان احسان نہیں ہوتا۔"

میں تو فرض کی بات کر رہا ہوں۔"

میں سمجھا نہیں۔ پرنسپل صاحب نے کہا۔ تو جج صاحب بولے۔

اگر شمس مجھ سے وعدہ کریں کہ اس کام میں میرا ہاتھ بٹائیں گے تو میں

ابھی سب کچھ بتا دوں۔ ورنہ کچھ کہنے سے فائدہ نہیں ہوگا۔

شمس نے فوراً کہا۔

آپ فرمائیے! میں ہر حکم کی تعمیل کروں گا۔

پرنسپل صاحب بولے۔"

یہ آپ سے باہر نہیں ہیں۔

جج صاحب نے کہا۔

وہ ٹھیک ہے لیکن میں وعدہ لینا چاہتا

شمس نے فوراً کہا۔

میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر آپ کیلئے ہم جان کی بازی بھی لگانی پڑی تو انشاءاللہ منہ نہیں

موڑوں گا۔"

تم سے یہی امید ہے اسی لئے میں اپنے ضعیف فرض کا بار ضعیف کاندھوں سے

اُتار کر تمہارے سپرد کرنا چاہتا ہوں، بولو تمہیں انکار تو نہیں۔؟"

میں سمجھا نہیں؟

یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہوا۔ مجھے تو ہاں یا نہیں میں جواب دو تمہیں انکار تو نہیں ہے

جی نہیں۔"

اچھا تو پھر میں تمہارے سپرد میری کو کرتا ہوں۔"

جج صاحب۔"

شمس بڑھ کر ان سے لپٹ گئے تو وہ آب دیدہ ہوتے ہوئے بولے۔

میرے قریب آؤ۔ میری۔

اور وہ شرم سے آنچل میں لپٹی ہوئی ان کے نزدیک پہنچ گئی۔

وہ پھر بولے۔

شاید تمہیں یہ خیال ہو کہ تم ایک عیسائی باپ کی بیٹی ہو کر ایک مسلمان کے سپرد کیسے کی جا رہی ہو۔ تو آج یہ بھی سمجھ لو کہ تم درحقیقت ایک مسلمان کی لڑکی ہو۔ تمہارے والد کا انتقال اس وقت ہوا جب تم دو ماہ کی تھیں۔ اور جب تم چار ماہ کی ہو گئیں تو تمہاری ماں کا سایہ تمہارے سر سے اٹھ گیا اور تم اپنے چچا کے پاس پرورش پانے لگیں۔ تمہارے والدین نے اتنی بڑی جاگیر چھوڑی تھی۔ جس کے بل پر تم ساری زندگی عیش سے کاٹ سکتی تھیں مگر دولت کے لالچ نے تمہارے چچا کو زندھا کر دیا۔ اور جب تم چار سال کی تھیں تو تمہیں مارنے کا منصوبہ تیار ہوا۔ مگر خدا نے تمہارے اس نوکر کے دل میں رحم ڈال دیا جس نے تمہاری پرورش کی تھی وہی تم کو راتوں رات میرے پاس لایا۔ میں تمہارے والد کا بہت گہرا دوست تھا جس کے متعلق اس نوکر کو علم تھا۔

اور چونکہ میری کوئی اولاد نہ تھی اور دوسرے تم میرے اس دوست کی لڑکی ہو

جس کی بدولت آج دنیا مجھے جج کے نام سے پکارتی ہے۔ وقت میرے رکھنے کی قدر کرتا ہے اس لئے مجھے تم سے زیادہ کون عزیز ہو سکتا تھا۔

جب میں نے تمہیں رکھ لیا۔ تو میری بیوی مجھ سے ناراض ہو کر چلی گئی۔ اور وہیں اس کا انتقال بھی ہو گیا۔ لیکن تم میرے دوست کی اولاد تھیں اس لئے تمہیں کلیجے سے لگائے بمبئی آ گیا۔ یہاں کی فضا میں کسی کو یہ معلوم نہیں تھا۔ کہ تم کون ہو۔ ہر شخص تمہیں میری لڑکی سمجھتا تھا۔ اس لئے میں نے تمہارا نام بدل دیا اور تم نے جب ہوش سنبھالا تو تمہاری دنیا ایک عیسائی کا گھر تھی وہی تم کو آج تک یاد ہے۔

اس لئے میں یہ اکثر سوچا کرتا تھا کہ تمہاری شادی کس سے کروں اور یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی تھی اب خدا نے وہ معاملہ حل کر دیا۔ اس لئے میں آج سے تمہارا ہاتھ شمس کے ہاتھ میں دیتا ہوں یہ تمہیں مجھ سے زیادہ اچھی طرح رکھیں گے لیکن اس بات کا خیال رکھنا۔ کہ تم کو میں نے اولاد کی طرح پرورش کیا ہے اس لئے مجھے فراموش مت کر دینا بس مجھے یہی کہنا ہے۔

جج صاحب کہتے کہتے آبدیدہ ہو گئے تو شمس نے کہا۔"

یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ڈیڈی میری لکے ساتھ میں بھی آپ کے ہی پاس رہوں گا۔"

اگر تم چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اور تمہیں چاہو تو زور نہیں۔

میری آنسو بکھیرتے ہوئے بولی۔

یہ مت کہئے ڈیڈی۔ آپ کے سوا میرا کون ہو سکتا ہے۔

اب تم شمس کی ہو۔ اس کی ہی رہو گی۔

اپنا جملہ ختم کر کے وہ پھر آنسوؤں میں ڈوب گئے تو فریدہ نے کہا۔

جج صاحب ذرا یہ بھی بتا دیجئے ان کا اصل نام کیا ہے ؟"

قمر۔"

قمر ہے۔ کیا تم وہی قمر ہو ؟"

فرید نے میری کے داہنے ہاتھ کی انگلی دکھاتے ہوئے کہا۔

یہ دیکھو شمس۔ تمہاری دی ہوئی نشانی "

اور شمس بے اختیار میری سے لپٹ گئے ان کا دل ایک مدّت کی جدائی کے بعد پھر ملنے پہ بھر آیا۔ اور زبان کو گردش ہونے لگی۔

کتنی مدت بعد ملی ہو قمر۔ تم ہی نے میری آنکھوں سے نیند چھین لی تھی میرے خیالات کو منجمد کر دیا تھا۔ تمہارے بغیر میری زندگی کس قدر ویران تھی۔ میرا پیار سونا تھا۔ میری محبت بے کیف تھی"

وہ اور کچھ کہتے۔ کہ فرید بولے۔

میں نہیں کہتا تھا یہ وہی لڑکی ہے۔ مگر تم تو میری بات کبھی مانتے ہی نہیں ہو"

مجھے کیا معلوم تھا کہ میری زندگی میرے قریب آچکی ہے ؟

خیر خدا کا شکر ادا کرو کہ یہ بخیر و خوبی تمہیں مل گئیں۔

جی ہاں۔ مجھے مل گئی۔ میری قمر مجھے مل گئی۔ شمس کہہ رہے تھے کہ پرنسپل صاحب جج صاحب کو لے کر کمرے سے باہر چلے گئے تو میری نے آہستہ سے کہا۔

بس اب خاموش ہو جائیے۔ اتنے آدمیوں میں بار بار ایسی باتیں کہنے سے فائدہ ؟"

فرید نے لقمہ دیا"

اچھا مسٹر اب باہر چلو جب تک قاضی جی نہیں آئیں گے تمہارا ان سے پردہ ہے اور مس صاحبہ تم ذرا کونے میں بیٹھ جاؤ۔ نہیں تو شیرینی نہیں چڑھے گی۔ اوئی میرے اللہ۔ نہ جانے آج کل کی لونڈیوں کو کیا ہو گیا ہے۔ اور یہ لونڈے تو بس اللہ بچائے۔"

شمس نے مسکراتے ہوئے کہا۔"

اچھا محترم! آپ بھی چلئے۔"

کیوں؟ کیا یہ اب بھی میری بھابی نہیں ہیں"؟

جی نہیں، قاضی صاحب کے بغیر یہ تمہاری بھابی کیسے بن سکتی ہیں؟"

اچھا تو میں ابھی قاضی صاحب کو لے کر آتا ہوں۔"

وہ یہ کہتے ہوئے باہر بھاگ گئے تو میری آپا، یعنی قمر نے ایک نظر شمس پر ڈالی وہ کھڑے مسکرا رہے تھے۔ تو ان کی قدرتی شرم عود کر آئی۔ اور شمس باہر چلے گئے۔

تھوڑی دیر میں فرید میاں قاضی صاحب کو لے کر آ گئے اور دو دھڑکتے ہوئے دل ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے پیوستہ ہو کر ایک نئی کہانی بن گئے۔

ختم شد